بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ
مبارک پور

زیرِ سرپرستی:
عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ
سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

نومبر ۲۰۱۵ء

جلد نمبر ۳۹ شمارہ ۱۱

مجلس ادارت
مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی
نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی
منیجر: محمد محبوب عزیزی
تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت
مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی
مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی
مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور
اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY
Mubarakpur. Azamgarh
(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 20 روپے
سالانہ: 200 روپے

چیک اور ڈرافٹ
بنام
مدرسہ اشرفیہ
بنوائیں

کوڈ نمبر ———— 05462
دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149
الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092
دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ
500 روپے
دیگر بیرونی ممالک
$ 20 امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ	الجامعۃ الاشرفیہ کی تعلیمی و تعمیری سرگرمیاں	مبارک حسین مصباحی	۳
	تدبرات		
عصر حاضر	کیا سنیں؟ کیا پڑھیں؟	محمد آصف اقبال	۹
	فقہیات		
آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں.............	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۳
	نظریات		
فکر امروز	حج کے موقع پر مشترکہ لائحۂ عمل	ڈاکٹر غلام زرقانی	۱۵
	اعتقادیات		
شعاعیں	حضرت ملا احمد جیون کے عقائد و نظریات	مولانا قاری محمد میکائیل ضیائی	۱۷
	اسلامیات		
سیرت	تاجدارِ ختم نبوت	مولانا محمد فروغ القادری	۲۰
سائنسی تحقیق	تخلیقِ انسانی اور انسانی جسم (آخری قسط)	مہتاب پیامی	۲۵
	شخصیات		
انوارِ حیات	مرشدِ اعظم ہند احسن العلما مارہروی (قسط-۸)	مبارک حسین مصباحی	۳۰
آئینۂ زندگی	شاہ امین احمد فردوسی	مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی	۳۵
	سیاسیات		
تاریخ وطن	تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات (آخری قسط)	محمد حیدر رضا مصباحی پورنوی	۳۹
آئینۂ وطن	شدھی کرن تحریک اور گھر واپسی	خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی	۴۲
	بزم دانش		
فکر و نظر	منگنی کی شرعی حیثیت اور موجودہ رسمیں	مولانا ساجد رضا مصباحی/مولانا محمد عابد چشتی	۴۶
	ادبیات		
نقد و نظر	تذکرۂ اسلاف	مبصر: مبارک حسین مصباحی	۵۰
خیابانِ حرم	منظومات	ڈاکٹر صابر سنبھلی/حسن رضا اطہر/قمر بستوی	۵۲
	مکتوبات		
صدائے بازگشت	عبد السلام رضوی/محمد امانت رسول رضوی		۵۳
	سرگرمیاں		
خیر و خبر	احمد آباد میں آسی غازی پوری پر سیمینار/میناپور، مظفر پور میں جشن میلاد النبی/عظیم الشان کانفرنس/مولانا شاکر نوری ۵۰۰ با اثر افراد میں شامل/حضرت مفتی محمد عبد الرشید علیہ الرحمہ کا عرس		۵۴

ادا ریہ

جامعہ اشرفیہ کی تعلیمی اور تعمیری سرگرمیاں

اہل سنت کے چند اکابر کا وصال پر ملال

مبارک حسین مصباحی

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب ﷺ کے طفیل دنیا کے علمی اور روحانی دبستانوں پر فضل و کرم کے بادل برسائے، اہلِ سنت کے تمام ادارے اور تمام خانقاہیں حسب توفیق کسی نہ کسی حیثیت سے مصروفِ عمل ہیں، انھیں میں ایک مبارک پور کی سرزمین پر جامعہ اشرفیہ ہے اور اسی کے ساتھ خانقاہ عزیزیہ ہے، یہ دونوں بھی طویل مدت سے اپنے اپنے علمی اور روحانی میدانوں میں مصروفِ کار ہیں۔ جامعہ اشرفیہ لفظ "اشرفیہ" کے الحاق کے ساتھ مدرسہ اور دار العلوم کی منزلوں سے گزر کر آج ایک جامعہ کی شکل میں موجود ہے، اس نے ہر قدم ترقی کی جانب بڑھایا ہے اور یہ خوب صورت سلسلہ آج بھی روز افزوں ہے، اس کی قیادت شہزادۂ حافظِ ملت حضرت عزیزِ ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی مصباحی سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ فرما رہے ہیں۔

۲۹؍ شوال ۱۳۵۲ھ / ۱۴؍ جنوری ۱۹۳۴ء میں جلالۃ العلم استاذ العلما حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان مبارک پور تشریف لائے۔ آپ نے یہاں آکر تدریسی میدان میں، تعمیری میدان میں، داعیانہ میدان میں، تصنیفی میدان میں، رشد و ہدایت کے میدان میں اور انتظامی میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان کے روحانی فیوضات و برکات آج بھی جاری ہیں۔ یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے جس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا رجسٹرڈ نام "دار العلوم اہلِ سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم" ہے مصباح العلوم کی نسبت سے فرزندان اشرفیہ اپنے ناموں کے ساتھ "مصباحی" لکھتے ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کے سنگ بنیاد کے موقع پر تاج دارِ اہلِ سنت حضرت مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا بریلوی، آبروئے سیادت و قیادت سید العلما حضرت علامہ سید شاہ آل رسول مارہروی، مجاہد ملت حضرت علامہ شاہ حبیب الرحمٰن اڑیسوی وغیرہ اکابر اہلِ سنت موجود تھے۔ یہ تعمیری کانفرنس ملک کی منفرد المثال کانفرنس تھی۔ فارغینِ اشرفیہ تدریس و تحقیق، فقہ و حدیث، تصنیف و صحافت، دعوت و تبلیغ، رشد و ہدایت اور سیاست و قیادت کے مختلف میدانوں میں نمایاں اور میر کارواں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تلامذۂ حافظ ملت اور فرزندانِ اشرفیہ میں سے بہت سے لوگ اس دنیا سے چل بسے اور بہت بڑی تعداد میں آج بھی ملک اور بیرون ملک گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں اور اپنے اپنے میدانوں اور علاقوں میں نمایاں اور سرخیل ہیں۔

آئیے ایک نظر ہم عہدِ حافظ ملت پر ڈالتے ہیں اور اہلِ سنت کی دو جلیل القدر شخصیات کے تاثرات نقل کرتے ہیں۔ پہلی شخصیت ہے محدث اعظم ہند حضرت علامہ سید شاہ محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی اور دوسری شخصیت ہے اجمل العلما حضرت علامہ اجمل شاہ سنبھلی علیہ الرحمہ کی۔

حضرت محدثِ اعظم ہند کا تاریخی تاثر:

حضرت محدث اعظم ہند عرصہ دراز تک دار العلوم اشرفیہ کے سرپرست اعلیٰ رہے۔ عام طور پر اہم کام حضرت ہی کے مشورے سے ہوتے تھے۔ آپ ہندوستان کے بلند پایہ مرشد طریقت اور نام ور خطیب و مناظر تھے۔ آپ تنہا کسی بھی اجلاس کی کامیابی کی ضمانت بن جاتے تھے، یہی حال آپ کے مناظروں کا بھی ہوتا تھا، قیادت اور دور اندیشی میں بھی بڑے مقبول اور متعارف تھے۔ آپ گاہے بہ گاہے دار العلوم اشرفیہ تشریف لاتے، خاص طور پر سالانہ اجلاس اور سالانہ امتحان کے موقع پر آپ ضرور جلوہ گر رہتے تھے۔ ذیل میں ہم آپ کا ایک گراں قدر

اور تاریخی تاثر نقل کرتے ہیں۔ یہ تاثر ۱۰؍ شعبان المعظم ۱۳۶۹ھ/ ۲۷؍ مئی ۱۹۵۰ء کا ہے۔

"آج ۱۰؍ شعبان مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کے درجۂ اعلیٰ کے ان طلبہ کا امتحان لیا گیا جو تفسیر و حدیث کی آخری تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ صحیح عبارت خوانی اور صحیح ترجمہ اور صحیح مطلب بتانے میں طلبہ نے بے حد خوش کیا، اور ان مقامات کا سوال کیا گیا، جس کو پہلے سے متعیّن نہیں کیا گیا تھا۔ کتاب کے باہر کی باتیں امتحانِ ذکاوت کے لیے پوچھی گئیں اور یہ نہ گھبرائے اور ہر سوال کا جواب مدرسانہ انداز میں دیتے رہے۔

اور اس تجربہ کی بنیاد پر جو ملک کے مدارس عربیہ کا رکھتا ہوں اور جا بجا امتحان کی خدمت مجھ سے لی جاتی ہے، میں بغیر کسی مبالغہ کے کہتا ہوں کہ اس مدرسہ کے کم زور طالب علم کا درجہ دوسرے مدارس کے قابلِ فخر طلبہ سے بڑھا ہوا پایا۔ یہ مدرسینِ کرام کی ان تھک کوششوں کا، معاونین مدرسہ کی پاک نیتوں کا ثمرہ ہے۔ (فجزاهم الله تعالىٰ احسن الجزاء)"

(از: سید محمد اشرفی جیلانی۔ ۱۰؍ شعبان ۱۳۶۹ھ)

حضرت محدث اعظم ہند بآں فضل و کمال اعلیٰ صلاحیت کے مالک تھے، فکر و شعور اور سیادت وقیادت میں بھی اپنی مثال آپ تھے، آپ نے دار العلوم اشرفیہ کے تاثر میں سمندر کو کوزے میں بھر دیا ہے اور ان تمام گوشوں کو سمیٹ دیا ہے۔ ایک امتحان میں جو ضروری ہوتے ہیں پہلا مرحلہ عبارت خوانی کا ہوتا ہے، یہ ایک مستقل فن ہے، جب تک صرف و نحو کے قواعد اور ان کے استعمال پر مکمل قدرت نہ ہو، عبارت خوانی مشکل ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عبارت خوانی نے بے حد خوش کیا۔ دوسرا مرحلہ ترجمہ اور فہم مطالعہ کا ہے، اس میں بھی حضرت محدث اعظم ہند باغ باغ نظر آتے ہیں۔ عام طور پر امتحانات میں یہ ہوتا ہے کہ طلبہ خاص مقامات کی تیاری کر کے ممتحن کے سامنے جاتے ہیں، مگر اشرفیہ میں اس وقت ایسا بھی نہیں ہوا، بلکہ حضرت فرماتے ہیں "ان مقامات کا سوال کیا گیا جن کو پہلے سے متعیّن نہیں کیا گیا تھا" معاملہ صرف درسی کتابوں کے امتحان کا نہیں تھا، بلکہ آپ نے خارجی باتوں میں بھی الجھانے کی کوشش کی، مگر طلبہ نے یہاں بھی سنجیدگی اور علمی لیاقت کا مظاہرہ کیا اور حضرت ممتحن بے پناہ متاثر ہوئے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں: "کتاب کے باہر کی باتیں امتحانِ ذکاوت کے لیے پوچھی گئیں اور یہ نہ گھبرائے اور ہر سوال کا جواب مدرسانہ انداز میں دیتے رہے۔" بلکہ حضرت ممتحن علیہ الرحمہ نے اس مقام پر آکر اپنے گراں قدر تاثر کو آسمان کی بلندی پر پہنچا دیا کہ: "اس مدرسہ کے کم زور طالب علم کا درجہ دوسرے مدارس کے قابلِ فخر طلبہ سے بڑھا ہوا پایا۔"

درس گاہوں میں اعلیٰ تعلیمی نظام بلا شبہہ اساتذۂ کرام کی محنتوں اور کوششوں کا نتیجہ ہوتا ہے اس کا اعتراف حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے بھی فرمایا ہے، یہاں کے اساتذہ میں جلالۃ العلم حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ اور نائب شیخ الجامعہ حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ جیسے اساطین علم اور شہنشاہ روحانیت تھے اور اسی کے ساتھ آپ نے معاونین کے اخلاص اور ان کی پاکیزہ نیتوں کا بھی ذکر خیر کیا۔

حضرت علامہ مفتی اجمل شاہ سنبھلی کا گراں قدر تاثر:

۷؍ شعبان المعظم ۱۳۷۶ھ/ ۸؍ مارچ ۱۹۵۷ء کو امتحان لینے کے لیے اجمل العلما حضرت علامہ مفتی اجمل شاہ سنبھلی کو مدعو کیا گیا، آپ اپنے عہد کے بلند پایہ فاضل و محقق اور عظیم مصنف و مناظر تھے۔ تدبر اور دور اندیشی میں بھی اعلیٰ کمال رکھتے تھے، فتویٰ نویسی میں بھی ان کا قد بہت بلند تھا، ان کے فتاویٰ کا مجموعہ "فتاویٰ اجمل العلماء" کے نام سے چند برس قبل شائع ہو چکا ہے۔ حضرت حافظ ملت قدس سرہ نے آپ سے کچھ دنوں جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں پڑھا تھا۔ حضرت حافظ ملت کی خواہش ہوئی کہ آپ کو بحیثیت ممتحن مدعو کیا جائے، اس وقت کے ذمہ داروں نے آپ کو مدعو کیا، امتحان کے بعد آپ نے جو گراں قدر تاثر نوٹ فرمایا وہ حسب ذیل ہے۔

"آج ۷؍ شعبان المعظم ۱۳۷۶ھ کو میں نے مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور کے درجۂ اعلیٰ اور دیگر درجات کی چند مشہور اور مشکل کتابوں کا امتحان لیا۔ میری عادت کسی مدرسہ کی رعایت اور جانب داری کی نہیں، بلکہ طلبہ سے ان کی استعداد اور کتاب کی حیثیت کے اعتبار سے سوالات کرنے اور کما حقہ طلبہ کی قابلیت اور استعداد کا صحیح جائزہ لینے کی ہے۔ تا کہ اراکین مدرسہ کے سامنے صحیح معیارِ تعلیم پیش کر سکوں اور دیانت داری سے انھیں طلبہ کی اہمیت، مدرسین کی محنت اور عرق ریزی کا

واقعی اندازہ بتاسکوں۔ یہ وہ بات ہے جس میں نہ میں کسی سے مرعوب ہوتا ہوں نہ کسی کی رعایت کرتا ہوں۔ اس دار العلوم کے طلبہ کا میں نے خوب جم کر امتحان لیا، ہر ایک سے سوال کر کے اس کی صحیح استعداد کا معیار قائم کیا۔ اور ہر حیثیت سے اس کی قابلیت کا جائزہ لیا اور پھر ہر ایک کو صحیح نمبر دیا۔

بحمدہ تعالیٰ طلبہ کو بہترین ذی استعداد پایا اور خصوصاً بعض کو بے نظیر اور بے مثل، نہایت قابل ٹھہرایا اور یہ کیوں کر نہ ہو، اس کے مدرسین نہایت جاں کاہی اور عرق ریزی سے درس کی خدمت کو انجام دیتے ہیں۔ خصوصاً صدر المدرسین بدر المعلمین فاضلِ جلیل عالمِ نبیل جامع معقول و منقول حاوی فروع و اصول حضرت مولانا مولوی حافظ عبد العزیز صاحب دام فیوضہ قابل صد تحسین ہیں۔ یہ ساری بہار انھیں کے دَم قدم کا صدقہ ہے۔ اور اس چمنِ مصطفوی کی بہار انھیں کی ذات پر موقوف ہے۔“

یہ ایک جلیل القدر فقیہ کا انتہائی مختصر اور جامع تاثر ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ”طلبہ کو بہترین ذی استعداد پایا“ یہ ان تمام طلبہ کے تعلق سے ہے جن کا آپ نے امتحان لیا۔ مزید فرماتے ہیں ” بعض کو بے نظیر اور بے مثل، نہایت قابل ٹھہرایا“ اس کے بعد تمام مدرسین اور خاص طور پر صدر المدرسین کی انتہائی درجہ کی تعریف و توصیف فرمائی۔ یہ ایک استاذ کا تاثر اپنے شاگرد کے تعلق سے ہے جو بجائے خود بڑی بات ہے۔

بر وقت ہم نے یہ دو گراں قدر تاثرات نقل کیے ورنہ اس قسم کے درجنوں تاثرات موجود ہیں۔ جدید تقاضوں کے پیش نظر جامعہ میں بہت سے شعبوں اور صیغوں کا اضافہ ہو چکا ہے۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اس وقت اپنی وسعت و ترقی کے اعتبار سے برصغیر میں اپنی مثال آپ ہے، تعلیم و تربیت اور تحقیق و تفقہ میں بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔

جامعہ اشرفیہ کی تعمیری سرگرمیاں

جامعہ اشرفیہ مبارک پور تعلیمی میدانوں کے علاوہ تعمیری میدانوں میں بھی مسلسل مصروفِ عمل ہے۔ ”عزیز المساجد“ جامعہ اشرفیہ کی وسیع اور عظیم الشان مسجد ہے۔ اس میں برسوں سے اندرونی حصوں میں نماز کا اہتمام ہو رہا ہے، مگر اب بھی بہت سے اہم اور ضروری کام باقی ہیں۔ اس وقت وضوخانوں اور زینوں پر کام ہو رہا ہے۔ باہر کا مکمل فرش اہلِ محبت کو آواز دے رہا ہے۔ استنجاخانے، گیٹوں اور میناروں کا کام باقی ہے، اسی طرح اور بھی بہت سے کام باقی ہیں، اہلِ خیر حضرات جو اپنی رقوم مساجد میں لگانے کے خواہش مند ہیں ان سے گذارش ہے کہ وہ پہلی فرصت میں اپنی رقوم ارسال فرما کر جنت الفردوس میں اپنا گھر بنانے کا آغاز فرمائیں۔

”دار التحفیظ و التجوید“ کے سامنے ایک انتہائی اہم دو منزلہ درس گاہ تعمیر کے آخری مراحل میں ہے۔ ۲۰؍ وسیع کمروں پر مشتمل اس عظیم الشان عمارت میں مکمل سنگ مرمر لگ چکا ہے، اس وقت اس کے تینوں زینوں کا کام آخری مراحل میں ہے۔ اس عمارت کی تعمیر پر مکمل ۳؍ کروڑ روپے کی لاگت آئی ہے۔ نیز اشرفیہ نسواں انٹر کالج میں مزید ۶؍ بڑے کمرے تکمیل کو پہنچ رہے ہیں۔

جامعہ اشرفیہ میں جدید دار الاقامہ کا سنگ بنیاد:

برکاتی ہاسٹل سے روڈ کی جانب جدید دار الاقامہ کی تعمیر زور و شور سے چل رہی ہے۔ ۲۲؍ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ/۷؍ اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز بدھ گیارہ بج کر پچیس منٹ پر عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی مصباحی دامت برکاتہم العالیہ سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ کے مقدس ہاتھوں اس عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس موقع پر ناظمِ تعلیمات صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی اور صدر المدرسین سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ العالی بھی اپنے فیوض و برکات کے ساتھ موجود تھے۔ دیگر اساتذۂ کرام بھی جلوہ گر تھے، ادارہ کے ناظمِ اعلیٰ الحاج سرفراز احمد صاحب دیگر اراکین اور چند اہلِ محبت بھی جلوہ گر تھے۔ اس تقریب میں بڑی تعداد میں طالبانِ علومِ نبویہ تکبیر و رسالت کے نعرے لگا رہے تھے۔

پروگرام کے آخر میں شہزادۂ حافظ ملت حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم القدسیہ نے اس تعمیر میں حصہ لینے والے اہلِ عشق و محبت کے لیے، ڈھیر ساری دعائیں فرمائیں، اسی کے ساتھ آپ نے تمام موجودین اور جہانِ اہلِ سنت کے لیے بھی اپنی نیک خواہشات کا اظہار فرمایا اور سب کی تعمیر و ترقی کے لیے بے شمار دعائیں فرمائیں۔

جامعہ کے ناظمِ اعلیٰ محترم المقام الحاج سرفراز احمد صاحب نے فرمایا کہ اس دو منزلہ عمارت میں چار کروڑ روپے کا خرچ آئے گا، دو منزلوں میں 10x19 سائز کے ساٹھ کمرے ہوں گے، عمارت کی زمینی لمبائی 215.6 فٹ اور چوڑائی 85.3 فٹ ہے۔ اس عمارت میں باضابطہ سنگ مرمر کا استعمال ہوگا اور تین زینے ہوں گے۔ زمین کا کل رقبہ $18377\frac{41}{2}$ ہے۔ مین روڈ سے قریب یہ ایک انتہائی آرام دہ رہائش گاہ ہوگی، اس میں رہنے والے طلبہ کے لیے وہ تمام ممکن سہولیات فراہم کی جائیں گی، ایک انسان کو انسانی زندگی گزارنے کے لیے جن کی ضرورت ہوتی ہے۔

فارن ہاسٹل کی دوسری منزل: آپ حضرات بخوبی واقف ہیں کہ جامعہ اشرفیہ میں ملکی طلبہ کے علاوہ غیر ملکی طلبہ بھی زیر تعلیم رہتے ہیں۔ غیر ملکی طلبہ کے لیے ایک علاحدہ قیام گاہ "فارن ہاسٹل" کے نام سے ہے۔ اس میں قیام وطعام کا کسی قدر اعلیٰ اہتمام ہوتا ہے۔ اس کی پہلی منزل بھر جاتی ہے، اب انتظامیہ کا ارادہ ہے کہ جلد ہی اس کی دوسری منزل کا تعمیری کام شروع کرا دیا جائے۔ انجینئر کے تخمینے کے مطابق اس میں ایک کمرے کی لاگت سوا تین لاکھ روپے آئے گی، مگر انتظامیہ نے مبلغ 300000 روپے رکھا ہے۔

آپ حضرات سے گذارش ہے کہ اپنے خصوصی تعاون سے اس تعمیر میں حصہ لے کر دارین کی سعادتوں سے سرفراز ہونے کی جانب قدم بڑھائیں۔

ہندوپاک کے چند اکابر کا وصال

(۱)- **حضرت مولانا منصور علی خاں رضوی کا سانحۂ ارتحال:** بلند بانگ خطیب مجاہدِ سنیت حضرت مولانا منصور علی خاں علیہ الرحمہ کا ممبئی میں ۲۱/ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ/ ۶/ اکتوبر ۲۰۱۵ء کو صبح ۳/ بج کر ۳۰/ منٹ پر وصال پر ملال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ ۵۴/ سال سے سنی بڑی مسجد مدن پورہ ممبئی میں امامت وخطابت فرما رہے تھے۔ آپ محبوب ملت حضرت علامہ محمد محبوب علی خاں علیہ الرحمہ کے خلف اکبر اور جانشین تھے، شیر بیشۂ اہلِ سنت حضرت علامہ شاہ محمد حشمت علی خاں پیلی بھیتی علیہ الرحمہ کے بھتیجے تھے، آپ کے برادرِ خورد حضرت مولانا مقصود علی خاں رضوی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فاضل ہیں، دونوں برادران عرصہ دراز سے ممبئی کی سرزمین پر دین وسنیت کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ محب گرامی وقار حضرت مولانا مقصود علی خاں رضوی مصباحی دام ظلہ العالی کا سایۂ کرم دراز فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا منصور علی خاں علیہ الرحمہ خاندانی وجاہت اور دین وسنیت کے جاہ وجلال والے تھے، خوش خلق، نیک سیرت، حق گو اور اہلِ سنت کے بے باک ترجمان تھے۔ آپ امامت وخطابت کے ساتھ بیرون ممبئی جلسوں اور کانفرنسوں میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ وہ جہاں جاتے اجلاس کی کامیابی کی ضمانت بن جاتے تھے۔ ان کے دورے، مہاراشٹر، کرناٹک، ایم پی اور یوپی وغیرہ میں بھی خوب ہوتے تھے، دیوبندیوں اور وہابیوں کے رد میں خوب مزہ لے لے کر بولتے تھے، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ یہی موضوع ان کی خطابت کا خاص محور تھا، دیگر موضوعات پر بھی خوب بولتے تھے۔

حضرت سے ہماری شناسائی عہدِ طالب علمی ہی سے تھی، انھیں ہم نے سنی جمعیۃ العلما ممبئی کے سکریٹری کی حیثیت سے بھی دیکھا، بلکہ جہاں تک ہمیں یاد آرہا ہے پہلی بار جمعیۃ ہی کے دفتر میں ہمیں ان سے ملنے کا شرف حاصل ہوا تھا، اس کے بعد متعدّد بار ان سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ہم لوگوں نے "المجمع المصباحی" مبارک پور سے حضرت کی مشہور تصنیف "خوابوں کی بارات" بھی شائع کی۔ حضرت سے ہماری ملاقاتیں جلسوں، کانفرنسوں اور جماعتی مسائل کے تعلق سے منعقد ہونے والی نشستوں میں ہوتی رہی۔ مولانا ہمیں دیکھتے تو فرحت ومسرت سے سرشار ہو جاتے اور وفورِ محبت سے گلے لگا لیتے۔

"مجلس شرعی" جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا فقہی سیمینار اندور میں ہوا۔ سیمینار کے اختتام پر آخری دن اجلاس عام ہوا۔ اس اجلاس کی نظامت مجاہدِ سنیت حضرت مولانا منصور علی خاں قادری فرما رہے تھے۔ حسب عادت حضرت نے خادم کو بھی نوازا۔ ہم نے وہابیت اور دیوبندیت کی تاریخ پر تقریر کی۔ حسنِ اتفاق تقریر کچھ ٹھیک ہو گئی، سامعین کی تعداد بھی حدِ نظر تھی، ہماری تقریر کے دوران سامعین کا ذوق وشوق بھی حیرت انگیز تھا، حضرت نے بھی بے حد دعاؤں سے نوازا۔

حضرت مولانا نے جمعیۃ العلما کے زیرِ اہتمام گراں قدر خدمات انجام دیں، اسی کے آفس سے رمضان المبارک میں حفاظ کا تقرر ہوتا اور اسی سے محرم الحرام کے موقع پر خطبائے اہلِ سنت کے انتخاب ہوتے۔ اس کے علاوہ موقع بہ موقع بہت سے پوسٹر اور کتابچے بھی شائع ہوئے۔

بیرونی علماے کرام کے قیام وطعام کا اہتمام بھی فرماتے۔ پیران طریقت، علماے اہل سنت اور شعراے کرام آپ کے مرہون منت رہتے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی، حضرت مفتی اعظم ہند بریلوی، شیر بیشۂ اہل سنت لکھنوی ثم پیلی بھیتی، محبوب ملت حضرت مولانا محبوب علی خاں، حضرت حافظ ملت محدث مرادآبادی، پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی وغیرہ علماو مشایخ سے آپ انتہائی درجہ محبت فرماتے اور انھیں مشایخ کے نقوش قدم پر چلنے کی کوشش فرماتے۔

آپ کی نماز جنازہ میں کثیر تعداد میں علماے ممبئی اور دیگر اکابر اہل سنت اور عوام اہل سنت نے شرکت فرمائی۔ تدفین بصد حسرت و یاس نریال واڑی قبرستان میں ہوئی۔ ضرورت ہے کہ کوئی نوجوان فاضل ان کی شخصیت و خدمات اور سنی جمعیۃ العلما کی تاریخ پر تفصیل سے لکھے

چند بزرگوں کے انتقال پر ملال کی خبر سن کر عزیز المساجد جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں تعزیتی اجلاس ہوا، اس میں حضرت مولانا منور علی خاں قادری، حضرت مولانا مشہود رضا حشمتی، حضرت الحاج محمد اسماعیل جانی اور شیخ طریقت حضرت مفتی ابوداؤد محمد صادق قادری رضوی علیہم الرحمہ کا ذکر خیر ہوا اور ان کے وارثین کو تعزیت پیش کی گئی، اس اجلاس میں اساتذۂ اشرفیہ اور بڑی تعداد میں طلباے اشرفیہ نے شرکت فرمائی۔ باضابطہ قرآن کریم کی تلاوت کا ایصال ثواب کیا گیا، اس تقریب میں بطور خاص حضرت مولانا عبدالحق رضوی، استاذ جامعہ اشرفیہ نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا، درود و سلام اور دعا کے ساتھ مجلس کا اختتام ہوا۔

قلبی دعا ہے کہ مولا عزوجل آپ کو اور دیگر مرحومین کو جنت اعلیٰ میں بلند ترین مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر و شکر کی توفیق خیر سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

(۲) شیخ طریقت مفتی ابو داؤد محمد صادق قادری رضوی کا وصال پر ملال: ۱۹؍ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ/۳؍اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز ہفتہ آپ کا وصال پر ملال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ ۴؍اکتوبر بروز اتوار سہ پہر ۳؍بجے ادا کی گئی۔ نماز جنازہ جناح اسٹیڈیم گوجرانوالہ پاکستان میں معروف عالم دین حضرت مفتی غلام عباس رضوی نے پڑھائی، نماز جنازہ میں تقریباً ایک لاکھ افراد نے شرکت فرمائی۔ گوجرانوالہ کی تاریخ کا یہ سب سے بڑا جنازہ تھا۔

حضرت شیخ طریقت بلند پایہ عالم دین اور محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی سردار احمد علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید تھے۔ آپ بلا شبہہ زبردست خطیب و مناظر تھے، آپ حق گوئی کی بنیاد پر متعدد بار جیلوں میں گئے، حق و صداقت کی علم برداری میں آپ نے آفتاب رضویت ہونے کا حق ادا فرما دیا تھا۔ آپ عظیم قلم کار اور بلند پایہ صحافی بھی تھے، آپ کا ماہ نامہ رضاے مصطفی گوجرانوالہ برسوں سے ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کے دفتر میں آتا ہے۔ آپ نے پوسٹر اور بلند پایہ کتابیں بھی لکھیں، گوجرانوالہ میں اہل سنت کی پہلی دینی درس گاہ "جامعہ سراج العلوم" کا قیام آپ کا تاریخی کارنامہ ہے، جہاں سے کثیر تعداد میں حفاظ، قرا، اور جید علماے کرام پیدا ہوئے۔ انجمن رضاے مصطفی کا قیام بھی اہم کارنامہ ہے، جس سے منتشر اہل سنت ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر ایک قوت بن گئے۔ تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ میں بھرپور حصہ لیا۔ ۶۶؍سالہ دینی خدمات آپ کی عظیم شخصیت سے متعلق معلومات کا ایک ذخیرہ ہے۔ آپ کی شخصیت پر تفصیل سے لکھنے کا ارادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ انھیں اپنے پیارے حبیب ﷺ کے طفیل بلند درجہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر و شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(۳) مرشد طریقت قاضی سید غوث شاہ قادری کا وصال: بڑے غم و اندوہ کے ساتھ یہ خبر دی جا رہی ہے کہ قاضی شہر ہری ہر کرناٹک مرشد طریقت حضرت الحاج قاضی سید غوث شاہ قادری ۱۳؍ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ/۲۸؍ستمبر ۲۰۱۵ء صبح ۱۱؍بج کر ۴۰؍منٹ پر انتقال فرما گئے۔ آپ کی نماز جنازہ ۱۴؍ذی الحجہ ۱۴۳۶ء/۲۹؍ستمبر ۲۰۱۵ء بروز منگل ۱۲؍بج کر ۳۰؍منٹ پر ادا کی گئی۔ جنازہ کی نماز مرحوم موصوف کے صاحب زادہ والا تبار حضرت مولانا مفتی قاضی سید شمس الدین برکاتی مصباحی نے پڑھائی، شہر ہی کے قبرستان کے ایک گوشے میں آپ کی تدفین ہوئی، نماز جنازہ میں ہزاروں مریدین، معتقدین، سادات کرام اور علماے عظام نے شرکت فرمائی۔

حضرت قاضی سید غوث شاہ قادری علیہ الرحمہ گوناگوں اوصاف و کمالات کے حامل اور بلند پایہ اہل سنت کے پیشوا تھے، دین داری، نیک سیرت اور

سیادت کے پیش نظر شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں دامت برکاتہم العالیہ نے آپ کو خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔ مرحوم کے مریدین و متوسلین کی تعداد بھی کثیر ہے۔ اب ان کے جانشین کی حیثیت سے محب گرامی وقار حضرت مولانا مفتی قاضی سید شمس الدین برکاتی مصباحی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ آپ ہم سے چند برس سینیر ہیں۔ آپ کا عہدِ طالب علمی ہم نے دیکھا ہے، آپ اپنی وضع قطع اور میل جول کے اعتبار سے پورے اشرفیہ میں پہچانے جاتے تھے، ماشاء اللہ آپ انتہائی وجیہ اور بلند سیرت ہیں۔ مولا تعالیٰ آپ کو اپنے خصوصی فضل وکرم سے مالامال فرمائے۔ آمین۔

حضرت علیہ الرحمہ کے تین صاحب زادگان اور پانچ صاحب زادیاں ہیں۔ آپ کے وارثین اعلیٰ تربیت یافتہ اور خاندانی وقار کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ نے ۴۵/ سال تک دینی، ملی اور سماجی بے لوث خدمات انجام دیں، آپ کے وصال پر ملال کے غم میں نہ صرف آپ کا شہر ہی ہر بلکہ پورا علاقہ نڈھال ہو گیا تھا۔ گورنمنٹ اردو اسکولوں میں تعطیل ہو گئی تھی اور مارکیٹ بند کر دی گئی تھی۔ جنازہ کے ہجوم کے نظم ونسق کے لیے پولیس اور نوجوانوں نے اہم خدمات انجام دیں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ان کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر وشکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(۴) **شہزادۂ شیر بیشۂ اہلِ سنت حضرت مولانا مشہود رضا حشمتی:** قارئینِ کرام کو علم ہو چکا ہو گا کہ اہلِ سنت کے عالم دین شیر بیشۂ اہلِ سنت کے فرزند ارجمند حضرت مولانا مشہود رضا حشمتی ۴/ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ/ ۱۹/ ستمبر ۲۰۱۵ء کو وصال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف اپنی خاندانی وجاہت اور دین وسنیت کے امور میں بڑے حساس تھے۔ آپ نے دین وسنیت کے تعلق سے گراں قدر خدمات انجام دیں، وہ اس دنیا سے چلے گئے مگر ان کی دینی وملی خدمات ہمیشہ یاد رہیں گی۔ مولا تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے اپنے حبیب ﷺ کے طفیل ان کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر وشکر کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(۵) **خلیفۂ مفتی اعظم ہند حضرت الحاج محمد اسماعیل جانی:** حضرت مفتیِ اعظم ہند کے خلیفہ حضرت الحاج محمد اسماعیل جانی ۹/ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ/ ۲۴/ ستمبر ۲۰۱۵ء کو اپنے محبوب شہر مدینہ منورہ میں انتقال فرما گئے۔ ۱۲/ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ/ ۲۷/ ستمبر ۲۰۱۵ء کو بروز جمعہ جنۃ البقیع میں تدفین ہوئی۔ آپ کی نمازِ جنازہ آپ کے محبوب عالمِ دین حضرت مولانا محمد ابراہیم مقبولی نے پڑھائی، موصوف نام ور فاضل اشرفیہ ہیں، حضرت الحاج مرحوم نے دین وسنیت کے لیے عظیم ترین خدمات انجام دیں۔ آپ نے رتناگیری میں جامعہ امام احمد رضا قائم کیا، جو آج ایک بڑا ادارہ ہے۔ اسی میں لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کا بھی معقول انتظام ہے۔ جامعہ امام احمد رضا سے چند برس سے "مسلم خاتون" کے نام سے ایک ماہ نامہ بھی جاری ہے۔ اس کے مضامین اہم اور معلوماتی ہوتے ہیں۔ اس میں آپ کے اہم دینی مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ اس ادارے کو اس وقت حضرت مولانا محمد ابراہیم مقبولی مصباحی اور ان کے برادرِ خورد حضرت مولانا عبد الرحیم مقبولی مصباحی چلا رہے ہیں۔ اہلِ سنت وجماعت اور ادارے کے لیے آپ کا وصال پر ملال ایک الم ناک حادثہ ہے، مولا تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ان کی مغفرت فرمائے اور وارثین کو صبر وشکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(۶) **حضرت مولانا NC عبد الرحمٰن کا انتقال:** کیرالا کے نام ور استاذ کا ۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ/ ۹/ ستمبر ۲۰۱۵ء کو انتقال پر ملال ہو گیا۔ آپ کے وصال کی خبر سے حلقۂ متعلقین میں غم کی لہر دوڑ گئی، آپ کی ولادت کیرالا کے ساحل سمندر پر واقع قصبہ تھرور سے قریب ایک گاؤں میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنی آبادی میں حاصل کی، اس کے بعد ۱۰/ سال تک آپ جامعہ سعیدیہ عربیہ کاسرگوڈ کیرالا میں اور اس کی مختلف شاخوں میں رہے۔ اور اعلیٰ تعلیم سے سندِ فراغت حاصل کی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ ذہانت اور مضبوط قوت حافظہ عطا فرمائی تھی۔ اساتذہ اور اپنے رفقا کے درمیان بہت مقبول تھے۔ آپ نے بیس سے زائد اساتذہ سے حصولِ علم فرمایا۔ دس برس تک آپ نے جامعہ سعیدیہ کیرالا میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ خانگی ضروریات کے پیش نظر آپ دس برس تک بیرون ملک رہے، اس کے بعد پھر آپ اپنے مادر علمی میں بحیثیت مدرس آ گئے۔

آپ عبادت وریاضت میں بھی نمایاں تھے۔ منکسر المزاج، سلیم الطبع، کم گوئی آپ کی عادت تھی، بڑی بات یہ ہے کہ آپ تہجد گزار تھے، زندگی کا تدریسی سفر بڑے اطمینان وسکون سے گزر رہا تھا کہ اچانک طبیعت خراب ہوئی ICU میں داخل کیا گیا، مگر افسوس صحت یاب نہ ہو سکے اور آپ کا وصال پر ملال ہو گیا۔ دعا ہے مولا تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔ ☆☆☆

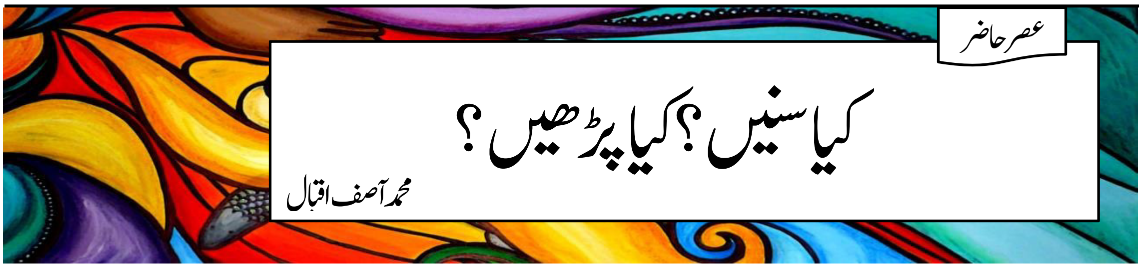

عصر حاضر

کیا سنیں؟ کیا پڑھیں؟

محمد آصف اقبال

ہماری اولاد کہاں سے کیا سن اور پڑھ رہی ہے؟ کیا ہم نے کبھی اپنے بچوں اور طلبہ کے موبائل، ٹیبلیٹ اور لیپ ٹاپ چیک کیے کہ ان کی ہارڈ ڈسک میں کون کون سے مقررین کی تقریریں اور پی ڈی ایف وغیرہ کی شکل میں کن مصنفین کی کتب ہیں یا کس قسم کے ویڈیو کلپس اور امیجز ہیں۔

"سنو سب کی، کرو اپنے من کی" یہ جملہ ہم نے نہ صرف عوام بلکہ بعض "بڑے" دانشوروں سے بھی سنا ہے، الفاظ کی خوبصورتی اور مفہوم کی دلکشی کو اپنے اندر سموئے یہ فقرہ سماعت کو کافی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ عربی کے دامن میں بھی کچھ ایسے جملے مل جاتے ہیں جیسے "خذ ما صفا ودع ما کدر (یعنی اچھا لے لو، خراب چھوڑ دو" یہاں بھی وہی مفہوم پوری آب و تاب سے موجود ہے (الافی مقامہ)۔ مگر اس طرح کی باتیں اسلامی تعلیمات سے متصادم نظر آتی ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہودیوں کی باتیں سننے، لکھنے اور تورات پڑھنے سے خود بانی اسلام حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روک دیا۔

(شرح السنۃ، ج ۱، ص ۲۱۹. سنن دارمی، ج ۱، ص ۱۲۶)

معلوم ہوا کہ "سب کی نہیں سننی" اور "اچھے اور خراب" دونوں پر مشتمل تحریر نہیں پڑھنی، جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی ہستی جن کی رائے کے موافق متعدّد مواقع پر آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں، انہیں منع کر دیا گیا تو ہم کس گنتی و شمار میں ہیں۔ لہٰذا ہر صحیح العقیدہ سنی مسلمان پر لازم ہے کہ بدمذہبوں کی کتب پڑھنا تو دور کی بات انہیں ہاتھ بھی نہ لگائے، ان کی محافل و مجالس میں بیٹھے نہ ان کی کوئی بات سنے، خود کو ان سے اور ان کی کتابوں سے دور رکھے کیوں کہ یہ ایمانیات کے لیے زہر قاتل سے زیادہ تباہ کن و خطرناک ہیں، ایمان و عقیدہ کی تباہی و بربادی کا سبب ہیں۔ سننا ہے تو اہل سنت و جماعت کے مستند و قابل اعتماد خطبا و مقررین کو سنیے اور پڑھنا ہے تو سنی مصنفین و مؤلفین کی ایمان افروز کتب و رسائل کا مطالعہ کیجیے تاکہ ایمان و عقیدہ محفوظ و مضبوط رہیں۔ یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ دور حاضر میں دشمنان اسلام و سنیت کو الزامی جواب دینے اور گھر کی گواہی یعنی "مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری" کی خاطر بعض خواص کو استثنا حاصل ہے۔

آج اس مسئلے کو جتنا عام کرنے کی ضرورت ہے شاید پہلے کبھی نہ تھی کیوں کہ باطل قوتیں پرنٹ، الیکٹرونک اور سوشل میڈیا (فیس بک، ٹوئیٹر، وہاٹس ایپ، ٹیلی گرام) الغرض ہر میدان میں بدعقیدگی و گمراہی کے مہلک ہتھیاروں سے لیس پوری قوت کے ساتھ موجود ہیں جب کہ اہل حق کے "مضبوط نیٹ ورکس" آٹے میں نمک برابر ہیں، گنتی کے چند شہسوار اپنی بساط بھر یہ "جنگ" تنہا لڑ رہے ہیں، اکابرین کی اِس محاذ پر" مسلسل توجہ "خال خال نظر آتی ہے۔ آج سوشل میڈیا پر بدمذہبوں کے سینکڑوں گروپس اپنے باطل نظریات کی تشہیر میں سرگرم ہیں، بدمذہبی پر مشتمل مواد تحریر اور تقریر کے ذریعے پھیلایا جا رہا ہے، ڈھیروں ڈھیر ویڈیو کلپس اور امیجز فیس بک وغیرہ پر شئیر ہو رہے ہیں جن کو ہمارے بہت سارے سنی بھائی نہ صرف پڑھتے سنتے ہیں بلکہ آگے بھی فارورڈ کرتے ہیں اور یوں بدمذہبی کی تبلیغ و اشاعت کا سبب بن جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ بدمذہبوں کی تقریر سننے اور تحریر پڑھنے کا مسئلہ کوئی معمولی نوعیت کا نہیں بلکہ اس کا تعلق دین و ایمان سے ہے جیسا کہ اِس مضمون کے مطالعہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا۔ مسئلہ کی حساسیت کے پیش نظر ذیل میں ہم قرآن و سنت اور اسلاف کرام کے آثار و حوال، مستند واقعات اور فقہا و مشائخ کے فتاوی و اقوال کی روشنی میں اہل باطل اور بدمذہبوں کی بات سننے اور پڑھنے کے متعلق بالخصوص اور ان سے میل جول و معاشرتی روابط رکھنے کے بارے میں بالعموم گفتگو کریں گے۔ اس مضمون میں ہمارے مخاطب وہ عوام اہل سنت ہیں جن کو دیکھ کر بدمذہبی پھیلانے والے ان درندوں کی رال ٹپکنے لگی ہے اور مقصد یہ ہے کہ عوام کو لباس خضر میں ملبوس راہزنوں کی چیرہ دستیوں سے خبردار کیا جائے اور انہیں شہد دکھا کر زہر

پلانے والوں کی ریشہ دوانیوں سے بچایا جائے۔اللہ تعالیٰ حق وسچ بیان کرنے کی توفیق عطافرمائے۔(امین)

اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا(بنی اسرائیل:۳۶)

بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہونا ہے۔

(ترجمہ از کنزالایمان)

امام محمد بن احمد شمس الدین قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت کے تحت فرمایا:ان میں سے ہر عضو نے جو ارتکاب کیا ہوگا اُس کے متعلق پوچھا جائے گا،دل سے پوچھا جائے گا:کس چیز میں غور کیا اور کس بات پر عقیدہ رکھا؟کان سے پوچھا جائے گا:کیا سنا تھا؟اور آنکھ سے پوچھا جائے گا:کیا دیکھا تھا؟اور یہ معنیٰ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان سے ہر اُس شے کے بارے میں پوچھے گا جس کا اُس کے دل،کان اور آنکھ نے احاطہ کیا ہوگا اور اِس کی مثال یہ ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:"تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اُس سے اُس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"یوں ہی انسان اپنے اعضاء پر نگہبان ہے۔

(تفسیر قرطبی،ج۱۰،ص۱۸۹)

امام عبداللہ بن احمد حافظ الدین نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مذکورہ آیت طیبہ کے تحت فرماتے ہیں:بروزِ قیامت انسان سے کہا جائے گا:تو نے وہ کیوں سنا جس کا سننا تیرے لیے حلال نہیں تھا،تو نے وہ کیوں دیکھا جسے دیکھنا تیرے لیے حلال نہیں تھا اور تو ایسی شے کا عزم وارادہ کیوں کیا جس کا عزم تیرے لیے حلال نہیں تھا۔(تفسیر نسفی،ص۶۲۳)

اپنے پروردگار کے فرمان اور اِس کی تفسیر پر غور کیجیے کہ جب دل،کان،آنکھ الغرض ہر عضو سے سوال ہونا ہے تو پھر روزِ محشر یہ بھی پوچھا جائے گا کہ فلاں بدمذہب کی تحریر کیوں پڑھی؟بدمذہبی پر مبنی لٹریچر کیوں دیکھا،پڑھا اور آگے بڑھایا؟فلاں بدمذہب خطیب کی تقریر کیوں سنی؟کیا اُس وقت کوئی جواب بن پڑے گا،ہرگز نہیں!اگر اِس معاملے میں پھنس گئے تو چھٹکارے کی تمام راہیں مسدود ہوکر رہ جائیں گی۔ہوش کے ناخن لیجیے!اِس کا تو تصور بھی رونگٹے کھڑے کرنے والا ہے۔اللھم احفظنا من کل بلاء الدنیا والاخرۃ۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ(پ۲،البقرہ:۲۰۸)

اے ایمان والو اسلام میں پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔(ترجمہ از کنزالایمان)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گزارش کی کہ اگر اجازت ہو تو نماز میں کچھ آیتیں توریت شریف کی بھی ہم لوگ پڑھ لیا کریں؟اِس پر یہ آیت مقدسہ ارشاد فرمائی۔ (تفسیر درمنثور،ج۱،ص۵۷۹)

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ توریت شریف جس کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں مگر جب تحریف کا شکار ہوگئی اور منسوخ کے دائرے میں چلی گئی تو اُسے پڑھنے کی ممانعت فرمادی گئی تو پھر بدمذہبوں کی ایمان سوز کتابیں،رسالے اور سوشل میڈیا پر موجود لٹریچر وغیرہ کس گنتی میں ہیں؟انہیں پڑھنا تو بدرجہ اولیٰ شیطان کے قدموں پر چلنا قرار پائے گا۔فتدبروا یااولی الابصار۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتا ہے:

وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖؕ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (الانعام:۶۸)

اور اے سننے والے جب تو انہیں دیکھے جو ہماری آیتوں میں پڑتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے جب تک اور بات میں پڑیں اور جو کہیں تجھے شیطان بھلاوے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

(ترجمہ از کنزالایمان)

صدرالافاضل مفتی نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:اس آیت سے معلوم ہوا کہ بے دینوں کی جس مجلس میں دین کا احترام نہ کیا جاتا ہو مسلمان کو وہاں بیٹھنا جائز نہیں،اس سے ثابت ہو گیا کہ کُفّار اور بے دینوں کے جلسے جن میں وہ دین کے خلاف تقریریں کرتے ہیں ان میں جانا،سننے کے لیے شرکت کرنا جائز نہیں اور رد وجواب کے لیے جانا مُجالَست نہیں بلکہ اظہارِ حق ہے ممنوع نہیں(یعنی علما جو ان بدمذہبوں کا رد کرنے کیلیے جاتے ہیں وہ اِس حکم میں داخل نہیں)۔

(خزائن العرفان)

شیخ الحدیث والتفسیر مفتی محمد قاسم قادری صاحب زیدمجدہ تفسیر صراط الجنان،جلد۳،صفحہ ۱۳۴ پر اِسی آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں:یاد رہے کہ بدمذہبوں کی محفل میں جانا اور ان کی تقریر سننا ناجائز وحرام اور اپنے آپ کو بدمذہبی وگمراہی پر پیش کرنے والا کام ہے،ان کی تقاریر

آیاتِ قرآنیہ پر مشتمل ہوں خواہ احادیث مبارکہ پر، اچھی باتیں چننے کا زعم رکھ کر بھی انہیں سننا ہرگز جائز نہیں، عین ممکن بلکہ اکثر طور پر واقع ہے کہ گمراہ شخص اپنی تقریر میں قرآن وحدیث کی شرح ووضاحت کی آڑ میں ضرور کچھ باتیں اپنی بدمذہبی کی بھی ملا دیا کرتے ہیں اور قوی خدشہ بلکہ وقوع کا مشاہدہ ہے کہ وہ باتیں تقریر سننے والے کے ذہن میں راسخ ہو کر دل میں گھر کر جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گمراہ و بے دین کی تقریر و گفتگو سننے والا عموماً خود بھی گمراہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے اسلاف اپنے ایمان کے بارے میں بے حد محتاط ہوا کرتے تھے، لہٰذا باوجود یہ کہ وہ عقیدے میں انتہائی متصلب و پختہ ہوتے پھر بھی وہ کسی بدمذہب کی بات سننا ہرگز گوارا نہ فرماتے تھے اگرچہ وہ سو بار یقین دہانی کراتا کہ میں صرف قرآن وحدیث بیان کروں گا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت، امام اہل سنّت، مولانا شاہ امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس بارے میں اسلاف کا عمل نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "سیدنا سعید بن جبیر شاگردِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راستہ میں ایک بدمذہب ملا۔ کہا: کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: میں سننا نہیں چاہتا۔ عرض کی: ایک کلمہ۔ اپنا انگوٹھا چھنگلیا کے سرے پر رکھ کر فرمایا: ولا نصف کلمۃ یعنی آدھا لفظ بھی نہیں۔ لوگوں نے عرض کی اس کا کیا سبب ہے؟ فرمایا: یہ "اُن" میں سے ہے یعنی گمراہوں میں سے ہے۔

امام محمد بن سیرین شاگردِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دو بدمذہب آئے۔ عرض کی: کچھ آیاتِ کلام اللہ آپ کو سنائیں! فرمایا: میں سننا نہیں چاہتا۔ عرض کی: کچھ احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سنائیں! فرمایا: میں سننا نہیں چاہتا۔ انہوں نے اصرار کیا۔ فرمایا: تم دونوں اٹھ جاؤ یا میں اٹھا جاتا ہوں۔ آخر وہ خائب و خاسر چلے گئے۔ لوگوں نے عرض کی: اے امام! آپ کا کیا حرج تھا اگر وہ کچھ آیتیں یا حدیثیں سناتے؟ فرمایا: میں نے خوف کیا کہ وہ آیات واحادیث کے ساتھ اپنی کچھ تاویل لگائیں اور وہ میرے دل میں رہ جائے تو ہلاک ہو جاؤں۔

پھر (امام اہل سنت نے) فرمایا: آئمہ کو تو یہ خوف اور اب عوام کو یہ جرأت ہے۔ دیکھو! امان کی راہ وہی ہے جو تمھیں تمھارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی: ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم.

یعنی ان (بدمذہبوں) سے دور رہو اور انھیں اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کردیں، کہیں وہ تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

دیکھو! نجات کی راہ وہی ہے جو تمھارے رب نے بتائی:

'فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ' (انعام:٦٨)

یاد آئے پر پاس نہ بیٹھ ظالموں کے۔ بھولے سے ان میں سے کسی کے پاس بیٹھ گئے ہو تو یاد آنے پر فوراً کھڑے ہو جاؤ۔

(فتاوی رضویہ، ج١٥، ص١٠٦)

میرے بھولے سنی بھائیو! غور کیجے کہ ہمیں ہمارا پروردگار رب تعالیٰ ایسوں کی صحبت اپنانے اور ان کی ایمان سوز باتیں سننے سے منع فرما رہا ہے، اس لیے عافیت وسلامتی اسی میں ہے کہ ہم اُن کی صحبت اجتماع وجلسہ اور تقریر وتحریر سے مکمل طور پر مجتنب رہیں۔ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ احادیث کریمہ میں بھی اِن معاملات کی مذمت وارد ہے۔ آئیے اس حوالے سے ارشاداتِ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ کیجے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت میں عرض گزار ہوئے: ہم یہودیوں سے کئی ایسی باتیں سُنتے ہیں جو ہمیں اچھی لگتی ہیں کیا ہمیں اجازت ہے کہ ہم ان میں سے کچھ باتیں لکھ لیا کریں؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دینِ اسلام کے مکمل اور کافی ہونے میں حیران وپریشان ہو کہ دوسروں کی باتوں کی طرف توجہ دیتے ہو جیسا کہ یہودی اور عیسائی اپنے مذہب میں متحیر ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے پر اکتفاء نہ کر کے اِدھر اُدھر مصروف ہو گئے۔ میں تمھارے پاس یہ واضح اور پاکیزہ شریعت لے کر آیا ہوں۔

(شرح السنۃ، ج١، ص٢١٩)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کسی بدمذہب کی طرف اس لیے چل کر گیا تاکہ اُس کی تعظیم وتوقیر کرے اُس نے یقیناً اسلام کو ڈھانے پر مدد کی۔

(حلیۃ الاولیا، ج٦، ص٩٧)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی بدمذہب سے بغض کی وجہ سے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا اللہ تعالیٰ اُس کے دل کو امن اور ایمان سے بھر دے گا اور جس نے کسی کو بدمذہب کے پاس جانے سے روک لیا اللہ تعالیٰ اُسے بروزِ قیامت بڑی گھبراہٹ سے مامون فرمائے گا اور جس نے کسی بدمذہب کو سلام کیا، اُس سے خوش ہو کر ملا اور خوشی کے ساتھ اُس کا استقبال کیا اُس نے اُس کی توہین وتذلیل کی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اُتارا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج٨، ص١٩٩)

ایک روایت میں یوں ہے: جس نے کسی بدمذہب کو جھڑکا اللہ تعالیٰ اُسے بڑی گھبراہٹ سے امن عطا فرمائے گا اور جس نے کسی

بدمذہب کو ذلیل کیا اللہ تعالیٰ اُس کے ۱۰۰ درجے بلند فرمائے گا۔
(الصواعق المحرقۃ، ص ۲۵۰)

نیز ایک روایت میں یہ آیا ہے: جس نے کسی بدمذہب کی بے عزتی اللہ تعالیٰ جنت میں اس کا ایک درجہ بلند فرمادے گا۔
(حلیۃ الاولیا، ج ۸، ص ۲۰۰)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بدمذہب کا کوئی عمل قبول نہیں فرماتا یہاں تک کہ بدمذہبی چھوڑدے۔ (الصواعق المحرقۃ، ص ۲۵۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آخری زمانہ میں جھوٹے دجال ہوں گے جو تمھارے پاس وہ احادیث لائیں گے جو نہ تم نے سنیں، نہ تمھارے باپ داداؤں نے، ان کو اپنے اور اپنے کو ان سے دور رکھو، وہ تمھیں گمراہ نہ کردیں، فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ (صحیح مسلم، مقدمہ، ص ۱۶)

میرے عزیز بھائیو! غور فرمائیے کہ ہمارے پیارے نبی کریم علیہ السلام نے اپنی زبان حق ترجمان سے بدمذہبوں اور ان کی بدمذہبی کی کس قدر مذمت فرمائی کہ ایسوں کے پاس جانے اور اُن کی تعظیم کو اسلام کا ڈھانا اور انہیں سلام کرنا یا خوش ہوکر ملنا یا استقبال کرنا دین کی توہین قرار دیا جبکہ بدمذہبوں سے منہ پھیرنے والوں کو امان الٰہی کی خوش خبری اور اِن کو جھڑکنے والوں کو جنتی درجات کی بشارت عطافرمائی۔ یہ بھی اشارہ فرمایا کہ جب اُن کے اپنے اعمال قبول نہیں تو پھر اُن کے پاس جانے والوں، ان کی تحریر پڑھنے اور تقریر سننے والوں کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ آخر الذکر روایت میں تو بالکل صراحت کے ساتھ فرمادیا: وہ تمھارے پاس ایسی حدیثیں اور دین کی باتیں لائیں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمھارے باپ دادانے۔ پچھلی چند صدیوں میں اہل باطل اور بدمذہبوں نے اسلام میں بہت سے نئے عقائد ونظریات ایجاد کرکے صادق ومصدوق حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اِس غیبی خبر پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من شرہ و رھم وغرو رعقائدھم الباطلۃ

یہاں سے یہ ملاحظہ فرمائیے کہ ہمارے اسلاف کرام کا بدمذہبوں کے ساتھ کیا رویہ تھا وہ اُن کو کتنا ناپسند کرتے تھے اور ان کی صحبت، تقریر اور تحریر سے کس قدر سختی سے منع فرتے تھے۔ ہمارے اسلاف ایسوں سے محبت ودوستی کو ایمان وعمل کے لیے سخت مضر قرار دیتے تھے، جیساکہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: جس نے کسی بدمذہب سے محبت کی اللہ تعالیٰ اس کا عمل ضائع فرمادے گا اور اُس کے دل سے ایمان کا نور نکال دے گا۔ (الصواعق المحرقۃ، ص ۲۵۰)

آپ ہی کا قول ہے: نفاق کی راہ کے علاوہ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی سُنی کسی بدمذہب سے محبت رکھے۔
(الابانۃ الکبریٰ لابن بطۃ، ج ۲، ص ۴۵۶)

سلف صالحین ایسوں کے پاس بیٹھنے کو نقصان دہ بتاتے تھے حتی کہ راستے میں بدمذہب سے سامنا ہونے پر راستہ تبدیل کرنے کا کہتے تھے جیساکہ حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: بدمذہب کے پاس نہ بیٹھو، یہ دل کو بیمار کردیتا ہے۔ (البدع لابن وضاح، ج ۲، ص ۹۵)

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: بدمذہب کے ساتھ مت بیٹھ کیوں کہ مجھے تجھ پر لعنت اُترنے کا خوف ہے۔ (اعتقاد اھل السنۃ اللالکائی، ج ۱، ص ۱۳۸)

آپ ہی کا فرمان ہے: جس کے پاس کوئی شخص مشورہ طلب کرنے آیا اور اُس نے اُسے کسی بدمذہب کے پاس جانے کا کہا تو اُس نے دین اسلام کے ساتھ غداری کی۔ تم بدمذہبوں کے پاس جانے سے بچو کیوں کہ وہ حق سے روکتے ہیں۔ (اعتقاد اھل السنۃ اللالکائی، ج ۱، ص ۱۳۷)

اور حضرت یحییٰ بن ابو کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اگر کسی راستے پر بدمذہب سے سامنا ہوجائے تو وہ راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرو۔
(الشریعۃ للآجری، ج ۱، ص ۴۵۸)

پھر یہ کہ زندگی تو زندگی رہی وہ نفوس قدسیہ تو ان کے جنازوں میں شرکت کو بھی غضب الٰہی کا سبب قرار دیا کرتے۔ چنانچہ، حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: جو کسی بدمذہب کے جنازہ کے ساتھ گیا وہ واپس لوٹنے تک اللہ تعالیٰ کے غضب میں رہتا ہے۔
(الصواعق المحرقۃ، ص ۲۵۰)

یوں ہی یہ حضرات بدمذہب کو لائق امامت سمجھتے نہ اُس سے کوئی حدیث بیان کرتے کیوں کہ بدعقیدہ وبدمذہب شخص دین ودیانت کسی لحاظ سے امین نہیں ہوتا۔ کسی نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا: ایک شخص تقدیر کا منکر ہے، کیا میں اُس کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہوں؟ تو آپ نے فرمایا: اسے امام نہ بناؤ۔ اس نے کہا: گاؤں میں بس وہی امام ہے اس کے علاوہ کوئی امام نہیں ہے۔ یہ سن کر آپ نے اونچی آواز میں فرمایا: اسے امام مت بناؤ، اُسے امام مت بناؤ۔ (حلیۃ الاولیاء، ج ۷، ص ۲۷)

..............................**(جاری)**

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

زید کا بکر کی منکوحہ کو اپنے ساتھ بیوی کی طرح رکھنا کیسا ہے؟

زید اپنے ہی گاؤں کے بکر کی منکوحہ ہندہ کو اپنے ساتھ دوسرے شہر بھگا لے گیا ہے اور ایک مدت سے اسے ایک ہی مکان میں رکھے ہوئے ہے، دونوں زن و شوہر کی طرح زندگی گزار رہے ہیں، نیز ہندہ کے شوہر بکر نے اسے طلاق بھی نہیں دی ہے اور نہ یہ دونوں اپنی اس رذیل سنگت سے باز آرہے ہیں نہ توبہ کر رہے ہیں۔ ان دونوں کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے اور قرآن و احادیث میں ایسے ناجائز تعلقات کے بارے میں کیا وعیدیں وارد ہیں؟

ان سے مسلمانوں کا خاص طور پر ان کے گھر والوں کا تعلق رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ ان کے گھر والے اس جرمِ عظیم کے باوجود ان سے بخوشی تعلق رکھتے ہیں، ساتھ میں کاروبار بھی کرتے ہیں اور گھر میں آنے دیتے ہیں تو ان کے گھر والوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

نیز بکر اپنی نافرمان منکوحہ کو طلاق اس لیے نہیں دیتا کہ زید اسے اپنے جائز نکاح میں نہ لا سکے، بکر کے لیے اس صورتِ حال میں کیا حکم ہے؟ قرآن و احادیث اور اقوالِ فقہا کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

زید و ہندہ سخت گناہ گار اور مستحقِ قہرِ جبار ہیں۔ میاں بیوی کا تعلق یعنی جماع، بوس و کنار وغیرہ شوہر اور بیوی کے ساتھ ہی جائز ہیں اور ان کے سوا کسی اور کے ساتھ یہ تعلق سخت حرام اور زنا و گناہِ کبیرہ ہے۔ ارشادِ باری ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ (المؤمنون:۵-۷)

اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، مگر اپنی بیبیوں یا شرعی باندیوں پر جو ان کے ہاتھ کی مِلک ہیں کہ ان پر کوئی ملامت نہیں۔ تو جو ان دو کے سوا کچھ اور چاہے وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ رات میں نے دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے زمینِ مقدس کی طرف لے گئے (اس حدیث میں چند مشاہدات بیان فرمائے، ان میں ایک یہ بات بھی ہے) ہم ایک سوراخ کے پاس پہنچے جو تنور کی طرح اوپر تنگ ہے اور نیچے کشادہ، اس میں آگ جل رہی ہے اور اس آگ میں کچھ مرد اور عورتیں برہنہ ہیں۔ جب آگ کا شعلہ بلند ہوتا ہے تو وہ لوگ اوپر آجاتے ہیں اور جب شعلے کم ہو جاتے ہیں تو شعلے کے ساتھ وہ بھی اندر چلے جاتے ہیں (یہ کون لوگ ہیں، ان کے متعلق بیان فرمایا) یہ زانی مرد اور عورتیں ہیں۔
(صحیح بخاری شریف)

ان دونوں پر فرض ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے جدا ہو کر علانیہ مجمعِ مسلمین میں اپنی بدکاری سے توبہ کریں اور اللہ کی حدود سے آگے نہ بڑھیں، اگر ایسا کرلیں تو ٹھیک ورنہ مسلمان ان سے قطع تعلق کرلیں اور ان کے ساتھ میل جول، سلام و کلام، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا اور شادی بیاہ وغیرہ میں شریک کرنا بند کردیں۔ زید اور ہندہ کے گھر والوں کو بھی یہی حکم ہے کہ وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ ان کا بائیکاٹ کریں اور اگر وہ ان دونوں کا ساتھ دیں، ان کی حمایت کریں تو مسلمان ان سے بھی قطع تعلق کرلیں۔

بکر کو چاہیے کہ ہندہ کو ایک طلاق سنت دے کر آزاد کردے، تاکہ وہ بعد عدت جہاں چاہے نکاح کر کے حلال طور پر رہے۔ اسے آزاد چھوڑ دینا کہ جہاں چاہے رہے اور اسے بدی سے روکنے کی کوشش نہ کرنا معیوب ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ شوہر پر فاجرہ کو طلاق دینا واجب نہیں، مگر یہ نام بہت برا ہے کہ وہ فاجرہ کا شوہر ہے۔ لہٰذا بطور مسلمان طلاق دے کر اس سے اپنی نسبت قطع کرلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نگر پالیکا سے موصولہ رقم اسی میں استعمال ہو جس کے لیے ملی ہے

(۱)۔ نگر پالیکا سے ملے ہوئے پیسے سے مصنوعی کربلا کی چہار

دیواری، قبرستان کی چہار دیواری اور مسجد کی تعمیر کرنا کیسا ہے؟

(۲)- نگر پالیکا کے چیرمین نے پیسہ دیتے وقت یہ کہہ دیا ہو کہ اس پیسے کو علاقے کی صفائی اور سڑک کی مرمت پر خرچ کریں تو اب اسے مصنوعی کربلا کی چہار دیواری، قبرستان کے احاطے اور مسجد کی تعمیر میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ دلیلوں کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

الجواب

چیرمین نے جس غرض کے لیے رقم دی اس میں صَرف کریں، لہٰذا جو روپے علاقے کی صفائی اور سڑک کی مرمت کے لیے دیے ہوں انھیں صفائی اور مرمت میں صَرف کریں اور جو روپے دوسری غرض کے لیے دیے ہوں انھیں اسی غرض میں خرچ کریں اور اگر اذنِ عام دیا ہو تو مسجد، مدرسہ اور قبرستان کی چہار دیواری کی تعمیر و مرمّت میں صَرف کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ذاتی رنجش میں کسی امام کو پریشان کرنا کیسا ہے

عرض ہے کہ زید فلاں مسجد کا امام ہے اور بکر دوسری مسجد کا مصلی ہے، لیکن وہ ذاتی رنجش کی وجہ سے اپنے موافق آدمیوں کو زید کی مسجد میں بھیج کر ہمیشہ فساد اور جھگڑا کروانا چاہتا ہے، لہٰذا حضور والا سے گزارش ہے کہ اپنے امام کے بارے میں ذاتی رنجش کی وجہ سے اگر کوئی امام کے پیچھے لگا رہے تو اس کی اس نماز کا کیا حکم ہے جو اس نے زید کے پیچھے پڑھی اور کیا کسی شخص کے لیے یہ درست ہے کہ وہ کسی امام کے پیچھے امام ہونے کی حیثیت سے پڑا رہے؟ اور کسی شخص کے لیے درست ہے وہ کرتب کرائے اور کرنٹ لگائے؟

الجواب

جھگڑا فساد تو یوں بھی ناجائز ہے اور مسجد میں سخت ناجائز۔ یوں ہی کسی کی ایذا رسانی کے لیے کرتب کرنا کرانا اور کرنٹ لگانا بھی سخت ناجائز و گناہ ہے، مگر کسی مسلمان کے ساتھ بدگمانی اور صرف وہم کی بنا پر اس پر الزام لگانا بھی ناجائز و گناہ ہے۔

سائل لکھتا ہے کہ: زید ہمیشہ فساد اور جھگڑا کروانا چاہتا ہے۔ اس کا ثبوت کیا ہے، چاہنا تو دل سے ہوتا ہے، اسے دل کا حال کیسے معلوم ہوا، اسے کیسے معلوم ہوا کہ اس نے کرتب کرایا، رہ گیا کرنٹ لگانا تو کیا زید نے خود اسے پکڑ کر کرنٹ لگایا یا اس کے کہنے پر دوسرے نے، کرنٹ کس جگہ لگا، اس کا نشان ہو تو چیک کرائے۔ الغرض یہ ساری باتیں تفتیش طلب ہیں، جب تک ان باتوں کا ثبوت نہ فراہم ہو، کسی پر ایسا کوئی الزام لگانا جائز نہیں، سائل پنچوں کے سامنے ثبوت پیش کرے، ورنہ اس طرح کی بدگمانی سے باز آکر تائب ہو۔ امام ہے تو امام کی صفات کا خوگر بنے اور تقویٰ اختیار کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک مسجد میں دوسرا جمعہ قائم کرنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے محلے میں ایک دو منزلہ مسجد ہے جس میں نمازِ جمعہ و پنج گانہ تقریباً پچیس سال سے قائم ہے اور اہلِ محلہ کے لیے مسجد کافی ہے، البتہ نمازِ جمعہ کے لیے کچھ لوگ باہر سے آتے ہیں جو مسجد کے اطراف و جوانب میں کام کرتے ہیں، جس کی وجہ سے مسجد ناکافی ہو جاتی ہے اور نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے مسجد کے باہر گلی میں اور پیچھے میدان میں چٹائی بچھائی جاتی ہے، جس میں لوگ نمازِ جمعہ ادا کرتے ہیں، لیکن چند دنوں سے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اسی مسجد میں جمعہ کی دوسری جماعت قائم کی جائے تاکہ لوگوں کو باہر نماز ادا کرنے میں دھوپ اور بارش کی تکلیف نہ ہو اور لوگ جمعہ کی دوسری جماعت میں آرام سے نماز ادا کر سکیں، جب کہ اس مسجد کے اطراف و جوانب میں کئی مسجدیں ہیں جو صرف ۵ ریا ۷ ر منٹ کے فاصلے پر ہیں۔

ایسی صورت میں امر طلب یہ ہے کہ کیا ایک جمعہ کے بعد پھر جمعہ کی دوسری جماعت قائم کر سکتے ہیں؟ اس بارے میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب

صورتِ مسئولہ میں اس مسجد میں دوسری جماعتِ جمعہ قائم کرنا ہرگز جائز نہیں کہ جب ایک بار اقامت شعار ہو چکی تو دوبارہ اس مسجد میں اقامت شعار کی حاجت نہیں۔ پھر ہر شخص نمازِ جمعہ کا امام و خطیب بھی نہیں ہو سکتا۔ جمعہ نمازِ پنج گانہ کی طرح نہیں کہ جو شخص بھی مسائلِ نماز و طہارت سے واقف ہو اور اس کی قراءت صحیح ہو وہی امام بن جائے بلکہ امام کے لیے ضروری ہے کہ قاضیِ اسلام ہو یا اس کا مقرر کردہ ہو اور جہاں یہ دونوں نہ ہوں وہاں عامۂ مسلمین باتفاقِ راے جسے منتخب کرلیں۔ تفصیل کے لیے فتاویٰ رضویہ جلد سوم، ص:۷۰۸ مطبوعہ رضا اکیڈمی کا مطالعہ کریں، مگر جس مسجد کا یہ مسئلہ ہے وہاں قاضیِ شریعت سے اذن لیا جا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

حج کے موقع پر
دنیا کے نمائندہ حضرات مشترکہ لائحۂ عمل تیار کریں

ڈاکٹر غلام زرقانی

نہ اندھی محبت میں مدح وسرائی کرتی ہوئی زبانیں بہتر ہیں اور نہ ہی سہولیات سے آنکھیں بند کیے ہوئے جارحانہ تنقید و تجریح

خانہ کعبہ اور منیٰ میں ہونے والے پے در پے حادثوں نے پوری ملت اسلامیہ کو اندر سے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ زبان سے ہم نے آپس میں عید قرباں پر مبارکبادیوں کے تبادلے بھی کیے ہوں، تاہم یقین کامل ہے کہ ہمارے قلوب واذہان بڑی تعداد میں اپنے دینی بھائی بہنوں کی شہادت پر نوحہ کناں رہے ہیں۔ ایسے مغموم سانحہ پر روسائے ممالک اظہار یکجہتی کررہے ہیں، عمائدین ملت اسلامیہ مرحومین کے لیے ایصال ثواب کی محفلیں منعقد کررہے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں، جو بھیگی پلکوں کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں عافیت وخیر کے لیے گڑگڑا رہے ہیں۔

تکلف برطرف رکھتے ہوئے، میں براہ راست آپ سے مخاطب ہوں کہ کیا اظہار افسوس اور دعائے مغفرت کی دہلیز تک پہنچ کر ہماری ذمہ داریاں ختم ہوجاتی ہیں؟ضمیر کی آواز پر کان دھریے، تو صدائے نفی صاف سنائی دے گی۔ اور وہ اس لیے کہ حرمین شریفین وہ مقام نہیں ہے کہ جہاں کی زیارت ہماری اپنی مرضی کے تابع ہے، بلکہ جب حج فرض ہوجائے تو وہاں جانا ہر مسلمان مرد وزن کے لیے ضروری ہوجاتا ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ جہاں جائے بغیر چارہ کار نہیں ہے، وہاں کے معاملات، سہولیات اور نگہداشت کی ذمہ داری خواہ کسی حکومت کے سر ہو، بہرکیف ہمیں فطری حق پہنچتا ہے کہ اپنی بساط بھر مشترکہ کوششیں کریں اور انہیں بہتر سے بہتر اور محفوظ سے محفوظ بنانے میں کچھ کسر باقی نہ رکھیں۔

اطراف وجوانب پر طائرانہ نگاہ ڈالیے تو سعودی انتظامات کے حوالے سے مسلمانوں کے درمیان دو طرح کی آراء سنائی دیتی ہیں؛ پہلی، شاہی خاندان کی مدح وسرائی میں زمین آسمان کے قلابے ملاتی ہوئی زبانیں اور دوسری، تمام تر سہولیات سے آنکھیں بند کیے ہوئے جارحانہ تنقید وتجریح۔ میرے خیال میں متذکرہ بالا دونوں طرح کی رائے افراط وتفریط پر مبنی ہے۔ تقاضائے عدل وانصاف یہ ہے کہ ہم نہ شاہی خاندان کی کوششوں سے آنکھیں بند کیے رہیں اور نہ ہی ان کی کوتاہیوں پر تملق وچاپلوسی کی دبیز چادر ڈالے رہیں، بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ اپنے ماتھے کی آنکھوں سے نظر آنے والے حقائق ومعلومات کے مطابق قابل ستائش سہولیات کی حوصلہ افزائی بھی کریں اور لائق غفلت امور کی مذمت بھی کریں۔

یقین کیجیے، میں کئی دنوں تک عالم تصورات میں متذکرہ غیر جانبدارانہ رائے کے نشیب وفراز کے درمیان جست لگاتا رہا، کبھی کسی قابل ستائش پہلو پر نگاہیں ٹھہر جاتیں اور کبھی دوسرے پہلو پر پہنچتے ہی پھسل جاتیں، بالآخر ایک عجیب وغریب نتیجہ پر پہنچنے میں کسی طرح کامیابی مل گئی۔ اس تمہید کی تفصیلات یہ ہیں کہ ہمیں حج وزیارت کے سارے اہتمامات وانتظامات کو دو حصوں میں تقسیم کرنا چاہیے؛ (الف) وہ انتظامات، جو سعودی حکومت دوسروں سے کرواتی ہے۔ (ب) وہ اہتمامات، جو سعودی شہری خود کرتے ہیں۔

پہلے حصے سے متعلق امور میں آپ حرمین شریفین کی تعمیرات، دیکھ ریکھ اور صفائی ستھرائی رکھیں۔ میرے خیال میں آپ اتفاق کریں گے کہ سعودی انتظامات کا یہ حصہ نہایت ہی اعلیٰ اور معیاری ہے۔ نہ تو عمارت میں کوئی نقص دکھائی دے گا، نہ صفائی ستھرائی میں کہیں انگلی رکھنے کی جگہ میسر آئی گی اور نہ ہی دیکھ ریکھ میں کوئی کجی محسوس ہوگی۔ خیال رہے کہ یہ سارے امور سعودی شہری خود نہیں کرتے، بلکہ دوسروں سے کرواتے ہیں۔ ماہرین تعمیرات، انجنئیر، عملۂ صفائی وستھرائی اور دیکھ ریکھ سے متعلق سارے امور غیر سعودی انجام دیتے ہیں۔ یقین نہیں آتا تو خود جاکر دیکھ لیں، ہندوپاک، بنگلہ دیش، سری لنکا اور دوسرے عرب ممالک کے افراد کثرت سے حرمین شریفین کے احاطے میں مصروف عمل دکھائی دیں گے۔

اب ذرا دل تھام کر دوسرے حصے پر نگاہ ڈالیے۔ حرمین شریفین

کے بیرونی دروازوں اور داخلی معاملات کے لیے رہنمائی کرنے والے رضاکار، جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کیے ہوئے پہرے دار، عرفات، منیٰ اور مزدلفہ میں سہولیات بہم پہنچانے والی پولس، امدادی کاروائیوں کے لیے مخصوص اراکین، وغیرہ ایسے امور ہیں، جنہیں انجام دینے کے لیے سعودی شہری متعیّن ہیں۔ کسی بھی ظاہری دباؤ کے بغیر نہایت ہی غیر جانبداری کے ساتھ بالائی سطور کی ایک ایک شق پر توجہ دیجیے اورامعان نظر سے جائزہ لیجیے۔ آپ اعتراف کریں گے کہ سعودی حکومت کی نگرانی میں ہونے والے اہتمام حج کے حوالے سے جوکچھ بھی خرابیاں، کوتاہیاں اور بے اعتدالیاں ہیں، وہ سب کی سب اسی حصہ سے متعلق ہیں۔ حج وزیارت کی سعادتیں حاصل کرنے والے خوش نصیبوں سے پوچھیے تووہ سعودی منتظم کے اہانت آمیز رویہ، دھکم پیل، دھتکار، پھٹکاراور ڈانٹ ڈپٹ کی طویل ترین روداد سنائیں گے، نیز اہل وطن اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان عدم مساوات کی مثالیں تواس کثرت کے ساتھ دیں گے کہ عقل انگشت بدنداں رہ جائے۔ یہ تو رہی بات مسلمانوں کے حوالے سے منسوب معاملات کی، رہی بات منصبی ذمہ داریوں سے عہدبرآہونے سے متعلق، تونہایت ہی عادلانہ رائے یہ ہے کہ ان کی اکثریت نہایت ہی غیر سنجیدہ، غیر مہذب اور ناشائستہ ہونے کے ساتھ ساتھ منصبی ذمہ داریوں کو کماحقہ نبھانے کے لیے ضروری عملی تجربہ سے ناواقف بھی ہے۔ یقین نہیں آتاتومیرے ساتھ منیٰ چلیے اوروہاں متعیّن پولس سے راستہ پوچھیے، دس میں سے نوجواب دیں گے کہ مجھے معلوم نہیں، کوئی رہنمائی چاہیے، تو اس کا جواب بھی نفی میں ملے گا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے قہقہہ لگا کرباتیں کرتے ہوئے دکھائی دیں گے اور کبھی کبھی ایک دوسرے کے پیچھے مذاق ہنسی کرتے دوڑتے ہوئے بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ بچکانہ حرکتیں منصبی ذمہ داریوں کے بحسن وخوبی نبھانے میں بہت بڑی رکاوٹیں ہیں۔

چلتے چلتے حالیہ منیٰ حادثہ پر گفتگو کرلیتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے حوالے سے یہ اطلاعات پہنچی ہیں کہ سعودی وزیر دفاع شہزادہ سلمان بن سعودکی تیز رفتار گاڑیوں کا قافلہ گزرنے کے پیش نظر ٹریفک روک دی گئی تھی، جوحادثہ کی وجہ بنی۔ خیال رہے کہ سعودی وزارت نے اسے کذب پر مبنی افواہ قرار دیاہے۔ بہرکیف، آزادانہ ذرائع سے فی الحال نہ ہم سعودی بیان کی توثیق کرسکتے ہیں اور نہ ہی تکذیب۔ تاہم، حادثہ سے قبل کی جو مختصر کلپ میں نے دیکھی ہے، اس سے صاف اندازہ ہورہاہے کہ جائے حادثہ پر کوئی سیکوریٹی کا عملہ نہیں ہے اور ساتھ ہی ساتھ آمدورفت بھی پوری طرح رکی ہوئی ہے۔ یہ بات کہنے کی نہیں کہ ایسی بند گلی میں سیکوریٹی عملہ کی عدم موجودگی نہایت ہی سنگین جرم ہے۔ اسی کے ساتھ سعودی عرب کی یہ توجیہ کہ دواطراف سے آنے والی سڑک پر بھیڑاچانک بڑھ گئی تھی، ہمارے لیے ناقابل فہم ہے۔ یہ توجیہ اس وقت درست ہوتی جب آسمان سے چندہزار افراد کودپڑتے اور تعداداچانک بڑھ جاتی، جب کہ معاملہ یہ ہے کہ جو حجاج وہاں تک پہنچے ہیں، وہ سب کے سب مختلف راستوں سے چل کر پہنچے ہیں۔ لہذا یہ انتظامی امور کے نگراں کی ذمہ داری تھی کہ اگر وہاں ضرورت سے زیادہ بھیڑاکٹھی ہوری تھی، توکچھ دور پہلے ہی متبادل راستوں کی طرف لوگوں کی رہنمائی کی جاتی۔ مزید برآں، آپ جمرات کے اطراف کی فوٹیج دیکھیں توصاف دکھائی دیتا ہے کہ وہاں بہت زیادہ بھیڑ نہیں ہے۔ عقل یہ کہتی ہے کہ جب سارے حجاج کرام کا رخ جمرات کی طرف تھااور جمرات کے اردگرد بہت زیادہ بھیڑ نہیں تھی، توبغیر کسی خارجی وجہ کے جائے حادثہ پر اچانک بڑی تعداد میں حجاج جمع نہیں ہوسکتے اور اگر بالفرض اکٹھے ہوبھی گئے، توسب کی حرکت سست توہوسکتی ہے، تاہم بالکل رک نہیں سکتی۔ اسی کے ساتھ فوٹیج سے یہ بھی ظاہر ہورہاہے کہ آخری لمحہ میں کوئی رکاوٹ دور کی جارہی ہے اور لوگ تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس کے صاف مطلب یہ ہے کہ بھیڑ سے متّصل اچھی خاصی جگہ ایسی تھی، جوخالی پڑی تھی۔

اس طرح مجھے کہنے دیا جائے کہ کہیں نہ کہیں انتظامیہ سے مجرمانہ غفلت ہوئی ہے اور وہ بہت حد تک ذمہ دار بھی ہے۔

صاحبو! خیال رہے کہ اسلامی مرکز میں اس طرح کے پےدرپے حادثات ہمارے نہیں، لیکن نئی نسل کے ایمان کی صلابت متاثر کرسکتے ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ میری تحریر سے مقصود نہ سعودی شہریوں کی دلآزاری ہے اور نہ ہی مجھے ان کی اہلیت پر شبہ ہے، بلکہ مدعائے سخن صرف اس قدر ہے کہ جو ذمہ داریاں جسے دی جائیں، انہیں یاتواہلیت رکھنے والوں کودی جائیں، یاانہیں ٹریننگ دے کراہل بنالیاجائے اسی کے ساتھ ارباب حکومت سے مؤدبانہ عرض ہے کہ حرمین شریفین میں بہتر سے بہتر انتظامات کے لیے ساری دنیامیں بڑے بڑے اجتماعات کروانے والے ذمہ داروں پر مشتمل ایک عالمی کمیٹی بنائے، تاکہ مشترکہ طور پر سب مل جل کر غور وفکر کے بعد مناسک حج کی ادائیگی کو بہتر سے بہتر بناسکیں۔ ☆☆☆

آخری قسط

حضرت ملا احمد جیونؔ کے عقائد و نظریات

تفسیرات احمدیہ کی روشنی میں

مولانا قاری محمد میکائیل ضیائی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس رسول کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا محمد رسول اللہ یہ مبتدا اور خبر پر مشتمل مکمل جملہ ہے جو مشہود بہ کو بیان کر رہا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور وہ گواہی یہ دے رہا ہے کہ جناب محمد ﷺ اس کے رسول ہیں) اس وقت یہ جملہ نص ہوگا جو اس لیے ذکر کیا گیا تاکہ بتایا جائے کہ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اس ترتیب سے مرتب ہے جو اہل اسلام کی زبان پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تا قیام قیامت جاری و ساری ہے۔ سب مسلمان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی کہتے چلے آ رہے ہیں۔ یا پھر یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی "ہو محمد رسول اللہ" یا مبتدا موصوف ہے اور والذین معہ کا اس پر عطف ہے اور اشداء اس کی خبر ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ قول باری تعالیٰ والذین معہ کو علیحدہ کلام بنایا جائے جو حضرات صحابہ کے مناقب کو بیان کرتا ہے۔

آیت کریمہ میں لفظ اشداء شدید کی جمع ہے اور رحماء رحیم کی جمع ہے یعنی حضرات صحابۂ کرام کفار کے لیے انتہائی سخت اور غصیلے ہیں کیونکہ یہ لوگ (صحابۂ کرام) ان (کفار) کے دین کے، زبان، دل اور جوارح (اعضا) سے مخالف ہیں اور آپس میں نہایت رحم دل ہیں کیونکہ آپس میں یہ ہر طرح ایک دوسرے کے موافق ہیں جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکفرین تفسیر کشاف اور مدارک میں ہے کہ حضرات صحابۂ کرام کی کفار پر سختی اور ناراضگی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ یہ اپنے جسم کے کپڑوں کو بھی ان کے کپڑوں سے نہ چھونے دیتے تھے اور اپنے جسموں کو ان کے جسموں سے مس نہیں ہونے دیا کرتے تھے۔ اور دوسری طرف آپس میں نرم دلی یہاں تک تھی کہ جب بھی کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو دیکھتا تو وہ دونوں مصافحہ اور معانقہ کرتے۔ یہ حالت ان حضرات کی بندوں کے ساتھ تھی اور جو حالت ان کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھی اسے اللہ تعالیٰ نے اگلے حصے میں بیان فرمایا۔

قول باری تعالیٰ تریھم رکعا سجدا کا معنی یہ ہے کہ تم انہیں رکوع کرنے والے اور سجدہ کرنے والے پاؤ گے اور ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا کے طالب ہوں گے۔ ان کی علامت ان کے چہروں پر نمایاں ہے جو سجدوں کے اثرات سے وجود میں آئی یعنی وہ نشانی جو ان کی پیشانیوں میں کثرت سجود کی وجہ سے بن گئی یا ان کے چہروں کی نورانیت جو اس طویل قیام کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی جو قیام رات کے پچھلے پہر کیا کرتے تھے۔ اس کی دلیل حضور ﷺ کا یہ قول مبارک ہے من کثر صلوٰتہ باللیل حسن وجھہ بالنھار جو رات کو بکثرت نوافل ادا کرتا ہے اس کا چہرہ دن کے وقت منور دکھائی دیتا ہے۔ یا ان کے چہروں پر نشانی یہ ہے کہ وضو کرنے کے بعد پانی کی تراوت اور سجدہ کرنے کے قیامت کے دن کے ساتھ ہے جیسا کہ تفاسیر میں مذکور ہے۔

آیت مذکورہ اگرچہ تمام صحابۂ کرام کے فضائل کے بارے میں نص صریح ہے ان میں سے کسی کی تخصیص نہیں مگر بعض مفسرین نے اس میں ایک خوبصورت لطافت اور عجیب چیز بیان فرمائی۔ انہوں نے اس آیت کے ہر لفظ کو حضرات خلفاے راشدین کے بارے میں مخصوص فضائل پر منطبق کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ قول باری تعالیٰ والذین معہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ وہ آپ ہی تھے جو جناب رسول کریم ﷺ کے غار کے ساتھی تھے اور سفر و حضر میں اکثر آپ کی معیت میں رہتے تھے۔ اور اشداء علی الکفار سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کفار کے خلاف آپ کی شدت واقعی سخت تھی اور قول باری تعالیٰ رحماء بینھم سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف مخصوص اشارہ کیا گیا کیونکہ آپ انتہائی نیک، رحیم اور حیا و ایمان میں کامل شخصیت تھے اور قول باری تعالیٰ رکعا سجدا میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر مخصوص کیا گیا ہے کیونکہ آپ عابد، زاہد، راکع اور ساجد تھے۔ تفسیر حسینی میں ایسا ہی مذکور ہے اور امام زاہد رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بھی اس سے ملتا جلتا ہے جس میں زیادہ وضاحت ہے اور ایک صناعت کا مخصوص انداز ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ کے اگلے حصے کی تفسیر فرماتے ہوئے مفسر قرآن حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"قول باری تعالیٰ ذٰلک سے مذکورہ اوصاف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور مثلھم فی التورٰیۃ اس کی خبر ہے و مثلھم فی الانجیل کا اس پر

صدر نعت اکیڈمی، کان پور
mmziai4@gmail.com

عطف ہے یعنی یہ مذکورہ اوصاف ان کی عجیب الشان صفت ہوتے ہوئے ان کا تذکرہ تورات وانجیل میں بھی موجود ہے۔اس ترکیب کے اعتبار سے قول باری تعالیٰ کزرع اس کی تفسیر یا تمثیل ہوگی جو کلام مستانف کہلائے گا اور یہ بھی جائز ہے کہ قول باری تعالیٰ و مثلھم فی الانجیل کو مبتدا بنایا جائے اور کزرع اس کی خبر قرار پائے یعنی یہ وصف ان کا توریت میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف یہ ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے قوت دی، پھر وہ موٹا ہوا کہ نرمی سے سختی میں آگیا، پھر وہ اپنی پنڈلی پر سیدھا کھڑا ہوگیا۔یعنی اپنی قامت پر سیدھا ہوگیا جو اپنی کثافت، قوت، موٹاپے اور حسن منظر سے کسان کو بھلا لگتا ہے یعنی حضرات صحابۂ کرام ابتدائے اسلام میں بہت کم تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں کثرت عطا فرمائی اور استحکام عطا فرمایا پھر ان کا کام ترقی پر جانے لگا کہ لوگ دیکھ دیکھ کر تعجب کرنے لگے۔اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ صحابۂ کرام کے بارے میں انجیل میں یہ لکھا ہوا تھا کہ عنقریب ایک ایسی قوم آئے گی جو کھیتی باڑی کرے گی، زمین سے مختلف پیداوار حاصل کرے گی اور معروف کا حکم دے گی اور منکر سے روکے گی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے لیغیظ بھم الکفار اس لیے فرمایا کہ یہ علت بتادی جائے کہ ان کی تشبیہ کھیتی کے ساتھ کیوں دی گئی یعنی جس طرح کھیتی نشوونما پاتی ہے زیادہ اور قوت پکڑتی ہے اسی طرح حضرات صحابۂ کرام بھی بہت جلد قلت سے کثرت اور ضعف سے قوت میں آجائیں گے۔یہ اس لیے ہوگا تاکہ کافر انہیں دیکھ کر جلیں بھنیں یا یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول وعد اللہ کی تعلیل ہے جسے پہلے ذکر کیا گیا۔ان الفاظ مبارکہ میں بھی حضرات خلفائے اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف بالترتیب اشارہ ہے۔صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اخرج شطأہ حضرت ابوبکر صدیق فازرہ حضرت عمر فاستغلظ حضرت عثمان غنی اور فاستویٰ علیٰ سوقہ حضرت علی مرتضیٰ کی طرف اشارہ ہے۔صاحب مدارک نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قول باری تعالیٰ وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصلحٰت روافض لعنھم اللہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور سرور کائنات ﷺ کی وفات کے بعد کافر ہوگئے تھے (معاذ اللہ) تفسیر حسینی میں ہے کہ "عمل صالح" سے مراد صحابۂ کرام کی محبت ہے اور اللہ تعالیٰ نے لیغیظ بھم الکفار بطور تنبیہ ارشاد فرمایا کہ ان حضرات سے بغض رکھنے والے کافر ہیں (نعوذ باللہ منہ)

ان آیات کی تفسیر کے آخری حصے میں حضرت مفسر تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کے انفرادی فضائل بھی ذکر فرمائے ہیں۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدح میں بہت سی آیات وارد ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف میں بکثرت آیات آئی ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تعریف کئی ایک آیات میں آئی ہے۔اسی طرح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کہ صفت بہت سی آیات میں مخصوص اور کچھ آیات میں اہل بیت کے ضمن میں بیان ہوئی ہے۔میں نے ان تمام کو اس لیے چھوڑ دیا کہ کہیں پڑھنے والے کا دل نہ اکتا جائے۔تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم قرآن کریم کے "ممدوح" ہیں اور احادیث مبارکہ میں "محمود" ان کا تذکرہ اور ذکر بالخیر ہی کرنا چاہئے۔ان حضرات کے لیے بہ نسبت دیگر ائمہ، متقی، اولیا، صلحا وغیرہم، اللہ تعالیٰ سے زیادہ اجر کی امید ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی اقتداء پر ثابت قدم رکھے۔ان کے اعتقاد بالخیر پر مضبوطی سے مستقیم فرمائے اور گمراہوں بدخواہوں اور ان کے دشمنوں کے تعصبات سے ہمیں بچائے رکھے۔آمین"۔(ایضاً ص۸۹۰ تا۸۹۳)

بروز حشر رسول کریم شفیع مذنبین ﷺ کی شفاعت کے عقیدہ کا اظہار حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ آیت قرآنی فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" اور قول باری تعالیٰ فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین کا معنی یہ ہے کہ کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کوئی نفع نہ دے گی۔اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو شفاعت سے نفع ہوگا کیونکہ کسی شے کو دوٹوک انداز میں بیان کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے علاوہ اشیاء کی نفی ہے بلکہ یہ جو کچھ کہا گیا یہ کفار کے لیے مذمت کا مقام ہے اور مذمت فرق کے بغیر نہیں ہوتی اور اس کی مثل بہت سی ہیں۔علاوہ ازیں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے شفاعت کرنے کا واضح ارشاد فرمایا چنانچہ ارشاد باری ہے واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنٰت.

ہمارے (اہل سنت) اور معتزلہ کے درمیان اس بارے میں بھی اختلاف ہے۔ہمارا موقف یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب مومنوں کے لیے شفاعت کرنا جائز ہے تاکہ ان سے عذاب کی تخفیف ہوجائے۔یہ جواز قرآن کریم کی آیات اور احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اور ان (معتزلہ) کے نزدیک شفاعت صرف ثواب کی زیادتی کے لیے ہوسکتی ہے عذاب کو دور کرنے کے لیے نہیں۔صاحب کشاف نے اس کی صراحت کی ہے وہ لکھتے ہیں: اس آیت میں دلیل ہے کہ قیامت کے دن شفاعت نفع دے گی کیونکہ پسندیدہ لوگوں کے درجات میں یہ اضافہ کرے گی۔یہ اس لیے لکھا کہ معتزلہ کے نزدیک "صغیرہ گناہ" مطلقاً معاف کردیئے جائیں گے جب ان کا مرتکب "کبیرہ گناہوں" سے اجتناب کرتا رہا اور کبیرہ گناہ کی توبہ سے قبل

معافی ناجائز ہے اور توبہ کے بعد ان گناہوں کے لیے شفاعت کی حاجت صرف ثواب کی زیادتی کے لیے ہوگی "۔ (ایضاً ص ۹۸۰)

حضور سرور کائنات ﷺ مالکِ کوثر ہیں اس عقیدہ ونظریہ کا اثبات قرآنی آیات انا اعطینٰك الكوثر تا ان شانئك هو الابتر سے ہوتا ہے۔ صاحب تذکرہ حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تفسیرات احمدیہ" میں مذکورہ آیات مبارکہ کی تشریح وتفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

"اس کا تفسیری معنی یہ ہے کہ اے محبوب! ﷺ ہم نے آپ کو اتنی وافر خیر عطا کردی جس کی کثرت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ یہ خیر کثیر علم، عمل، اولاد، اتباع اور امت کے علما کی صورت میں ہے، یا اس سے مراد "قرآن" ہے لہٰذا آپ نماز کی طرف پیش قدمی فرمائیے جسے خالص لوجہ اللہ ادا کریں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کے شکریہ کے طور پر ادا کریں اور ان کی مخالفت کے لیے جنھوں نے اسے کھیل کود بنالیا اور بدنہ کی قربانی دیں جو عرب کا بہترین مال شمار کیا جاتا ہے اسے مسلمانوں پر تقسیم کردیں تاکہ ایسا کرنے سے ان لوگوں کی مخالفت ہوجائے جو عام اشیائے خورد ونوش کو روکے رکھتے ہیں اور محتاجوں کو کچھ بھی نہیں دیتے۔ یا نماز عید الاضحیٰ ادا کریں اور قربانی کے طور پر اونٹ وغیرہ قربان کریں ھٰکذا فی البیضاوی یا جمع یعنی مزدلفہ میں نماز فجر ادا کریں اور منیٰ میں قربانی دیں یا کوئی نماز پڑھیں اور "نحر" کریں یعنی نماز کے دوران دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھیں جیسا کہ کشاف نے بیان کیا ہے۔ یا قبلہ کی طرف اپنے سینے کو رکھیں جب آپ رکوع اور سجدے کے درمیان تھوڑی دیر کے لیے کھڑے ہوں اور دونوں سجدوں کے درمیان بھی ایسا ہی کریں۔ یہ تفسیر زاہدی نے لکھا ہے۔

قول باری تعالیٰ ان شانئك هو الابتر آپ کا دشمن یعنی عاص بن وائل ہی "ابتر" ہے جس کی نہ نسل باقی رہے گی اور نہ ہی مرنے کے بعد اس کا کوئی اچھائی سے نام لے گا لیکن اے محبوب! آپ اور آپ کی اولاد باقی رہے گی آپ کی شہرت اور آپ کے فضل کے آثار قیامت تک (بلکہ بعد میں بھی) باقی رہیں گے۔ لہٰذا لفظ "کوثر" اگرچہ مذکورہ معنی کا احتمال رکھتا ہے جو تفسیروں میں ہیں لیکن اہل کلام اور مفسرین حضرات کا مختار یہ ہے کہ یہ "حوض کوثر" ہے یا "نہر کوثر" جو جنت میں ہے اور حضور سرور کائنات ﷺ سے بھی مروی ہے کہ "کوثر" جنت میں ایک نہر ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمالیا ہے۔ اس میں خیر کثیر ہے۔ شہد سے زیادہ میٹھا، دودھ سے زیادہ سفید، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مکھن سے زیادہ نرم ہے۔ زبرجد سے گھری ہوئی ہے یعنی اس کے کنارے زبرجد کے ہیں، اس کے برتن چاندی کے ہیں، جس نے اس میں سے پی لیا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا اور

حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: میرے حوض کی مسافت ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے اور اس کے زاویے (کونے) برابر ہیں، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے، اس کی بو مشک سے زیادہ پاکیزہ ہے اور اس کے کٹورے آسمانی ستاروں سے زیادہ ہیں۔ جو بھی اس میں سے ایک مرتبہ پی لے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پیاسا نہ ہوگا۔ اور حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: میں نے ساتویں آسمان سے اوپر تک ایک "نہر" دیکھی۔ اس کے چاروں طرف خیمے تھے جو یاقوت، لؤلؤ اور زبرجد کے بنے ہوئے ہیں۔ میں نے اس پر ایک سبز رنگ کا پرندہ دیکھا تو جبریل علیہ السلام سے میں نے پوچھا: یہ کیا ہے۔؟ جواب دیا' یہ حوض کوثر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمادیا ہے۔

اے اللہ! ہمیں بھی حوض کوثر سے کامل حصہ عطا فرما اور اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شفاعت کا بھی وافر حصہ عطا فرما اور ہمیں اپنے دیدار اور اپنی محبت میں سے عظیم حصہ عطا فرما اور ہمارا خیر وسعادت عظمیٰ پر خاتمہ فرما یعنی اشهد ان لااله الا الله وان محمدا عبده ورسوله پر خاتمہ فرما۔ ہماری خطائیں معاف فرمادے بیشک تو ہی قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔" (ایضاً ص ۹۹۰)

تفسیرات احمدیہ کے ان تمام اقتباسات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے مصنف حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ کے وہی معتقدات ونظریات ہیں جو اہل سنت وجماعت کے ہیں اور نبی کریم ﷺ، صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین، اولیائے کاملین اور دیگر صلحائے امت سے ثابت ہیں۔ نبی آخر الزماں ﷺ کا بعد از خدا بزرگ ہونا، تمام انبیا ومرسلین میں افضل واعلیٰ ہونا، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عالم غیب ہونا، تمام صحابہ میں سے کسی کی بھی پیروی ہدایت کے لیے کافی ہونا، نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا، نبی اور آل نبی پر درود بھیجنا، اللہ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو شفیع المذنبین بنانا اور قیامت کے دن گنہگاران امت کی شفاعت بارگاہ خداوندی میں مقبول ہونا، حوض کوثر کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول کو عطا فرمادینا یعنی اس کا مالک بنادینا۔ یہ اور اس طرح کے تمام مسلّمہ عقائد ونظریات اہل سنت وجماعت کے ہیں یعنی ہر اس شخص کے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتا ہے اور اللہ کے رسول سے ہر وہ شخص محبت رکھتا ہے جو مومن ہے اس لیے کہ اس کے بغیر کوئی مومن نہیں ہوسکتا۔

حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ ایک سچے پکے مسلمان، عاشق رسول اور اہل سنت وجماعت کے بے لوث اور مخلص عالم دین تھے جن کی تحریرات وتصنیفات میں ان کے جذبات واحساسات، معتقدات ونظریات اور تصورات وخیالات کا نور جگمگاتا ہوا نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے علم وتقویٰ سے حصہ عطا فرمائے آمین . ☆☆☆☆

تاجدارِ ختمِ نبوت

مولانا محمد فروغ القادری

مرزا قادیانی کے دعوائے نبوت کے بعد بر صغیر کے علمائے اسلام میدانِ عمل میں اتر آئے اور انھوں نے اس جھوٹے نبی ککے مکر و فریب سے امتِ مسلمہ کو محفوظ رکھنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی، انھوں نے ہر محاذ پر اس کا مقابلہ کیا، اس سے مناظرے کیے اور دلائل و براھین کی قوت سے اس کا بھر پور مقابلہ کیا، اس کی جھوٹی نبوت کے رد میں بے شمار کتابیں لکھیں، تاکہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔

اسلامی عقیدے کے مطابق انبیائے کرام کی آمد کا سلسلہ اس وقت سے شروع ہو گیا جب کہ انسان کو پیدا کر کے اس کو موجودہ زمین پر آباد کیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان تھے اور پہلے نبی بھی، ان کے بعد ہر دور اور ہر زمانے میں تسلسل کے ساتھ انبیائے کرام جلوہ گر ہوتے رہے اور خدا کا ابدی و سرمدی پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ ساتویں صدی عیسوی کے ربع اول میں کون و مکاں کے تاجدار حضور خاتم الانبیا ﷺ تشریف لائے۔ آپ پر ربّ کائنات نے کتاب قرآن نازل فرمائی۔ اس کتاب میں باضابطہ اعلان کر دیا گیا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اسی کے ساتھ وہ نبیوں کے خاتم کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ خاتم یا سیل (Seal) کے معنی کسی چیز کو آخری طور پر مہر بند کرنے کے ہیں، یعنی اس کا ایسا خاتمہ جس کے بعد اس میں کسی اور چیز کا اضافہ ممکن نہ ہو۔

Seal : To close completely

پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے بعد "ختم نبوت" کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ "لا نبی بعدی" (صحیح البخاری کتاب الانبیاء) یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ختم نبوت کا تعلق ختم ضرورتِ نبوت سے ہے۔ محمد عربی ارواحنا فداہ ﷺ کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ بند کر دیا گیا کہ ان کے بعد اب کسی نئے نبی کی آمد کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی، نہ اب کوئی ظلی نبی ہوگا، نہ بروزی نبی ہوگا، نہ عطائی نبی ہوگا، نہ تشریعی، غیر تشریعی نبی ہوگا، حضور نبی آخر الزماں ﷺ کے لائے ہوئے دینِ برحق کے ساتھ استثنائی طور پر ایسا ہوا کہ وہ کامل طور پر محفوظ کر لیا گیا۔ اور جب دین مکمل طور پر محفوظ ہو جائے تو اس کے بعد یہی محفوظ دین ہدایت حاصل کرنے کا مستند ذریعہ بن جاتا ہے۔ خدا کی ہدایت کو جاننے کے لیے اصل ضرورت محفوظ دین کی ہے، اور اس دین کی حفاظت رب کریم نے اپنے ذمۂ کرم میں لی ہے اور قیامت کی صبح تک اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ باقی رہنے والا ہے۔ پیغمبر گرامی وقار ﷺ کے ساتھ استثنائی طور (Exeptional) پر بات سامنے آئی کہ آپ کو اتنی بڑی تعداد میں قابلِ اعتماد رفقا اور جاں نثاروں کی جماعت من جانب اللہ عطا کی گئی کہ وہ اپنی ناقابلِ تسخیر ایمانی قوتوں سے بحر و بر پر حاوی ہونے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ یہ ایک انتہائی طاقت ور ٹیم تھی۔ مورخین اور سیرت نگاروں کی شہادت کے مطابق اس ٹیم کا ہر فرد عزم و عمل کا کوہ گراں تھا۔ اس وقت عرب سے باہر دو بڑے ایمپائر موجود تھے، بازنطینی ایمپائر اور ساسانی ایمپائر۔ یہ دونوں ایمپائر اسلامی مملکت کے خلاف ہو گئے تھے، اس طرح دونوں کے درمیان ٹکراؤ ہوا، اس ٹکراؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ اسلام کو جیت ہوئی اور دونوں ایمپائر ٹوٹ کر ختم ہو گئے۔ یہی وہ عظیم واقعہ ہے جس کو بائبل میں بطور پیشین گوئی ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ "ازلی پہاڑ ریزہ ریزہ ہوں گے"۔

And everlasting mountains were scatters

اس طرح رسول گرامی وقار ﷺ کے وصال مبارک کے فوری بعد ایک عظیم مسلم سلطنت بن گئی جو اسلام کی پشت پناہی پر ایک مضبوط سیاسی طاقت کی حیثیت رکھتی تھی۔ اصحاب رسول اور اہل اسلام کا یہ سیاسی غلبہ تاریخ کا ایک استثنائی واقعہ تھا۔ مورخین نے عام طور پر اس کا اعتراف کیا ہے۔ The historicalrole of Islam کے مصنف نے اس اسلامی انقلاب کا ذکر کرتے ہوئے اسے تمام معجزات میں بڑا معجزہ قرار دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

The expansion of Islam is the most miraculous of all miracles.

نبی گرامی وقار ﷺ کے مقدس صحابہ نے قرآن عظیم اور سیرت رسول ﷺ کی حفاظت کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ قرآن کو پڑھنا، قرآن کو لکھنا، ان کی پاکیزہ زندگی کا سب سے محبوب مشغلہ تھا۔ اس طرح اصحابِ

رسول کی جماعت گویا کہ زندہ کتب خانہ بن گئی، پھر جب مسلم سلطنت قائم ہوئی تو حفاظت قرآن کی مہم کو ایک سیاسی طاقت کی تائید بھی حاصل ہوگئی۔ حفاظت قرآن کا یہ سلسلہ تقریباً ایک ہزار سال تک غیر منقطع طور پر چلتا رہا۔ یہ کسی کتاب کی حفاظت کا استثنائی معاملہ تھا جو قدیم زمانے میں کسی بھی کتاب کے ساتھ پیش نہیں آیا۔ یہ تمام باتیں اسی لیے ہیں کہ آپ "خاتم النبیین" بن کر جلوہ گر ہوئے۔ جس طرح آپ کی نبوت و رسالت باقی رہنے والی ہے اسی طرح آپ کی نبوت مطلقہ اور سیادت عامہ پر بطور برہان وہ کتاب مبین بھی باقی رہنے والی ہے جو آپ کی خاتمیت کبریٰ کی تمام تر صداقتوں کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔

"عقیدۂ ختم نبوت" ہمارے دین کی بنیاد اور اساس ہے۔ قرآن وسنت میں اس کی اہمیت اور عظمت واضح طور پر بیان فرمادی گئی ہے۔ اور پوری ملت اسلامیہ کا عہد صحابہ سے آج تک اجماع ہے کہ حضور ختمی مرتبت نبی رحمت امام الاولین والآخرین سلسلۂ نبوت و رسالت کی آخری کڑی ہیں۔ آپ اللہ کے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے گا تو کذاب، دجال اور دائرۂ اسلام سے خارج ہوگا۔ سید المفسرین ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ "خاتم النبیین" کی تشریح کرتے ہوئے تفسیر ابن عباس میں فرماتے ہیں کہ: "ختم الله به النبيين قبله فلا يكون نبي بعده" ترجمہ: خاتم النبیین کا یہ معنیٰ ہے کہ اللہ کریم نے سلسلہ نبوت آپ کی ذات اقدس پر ختم کردیا ہے۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

علامہ حافظ حماد الدین ابن کثیر اپنی تفسیر ابن کثیر میں فرماتے ہیں: (عربی سے ترجمہ)- "پس یہ آیت اس بات میں نص صریح ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا، تو جب کوئی نبی نہ ہوا، تو رسول بدرجۂ اولیٰ نہ ہوگا۔ کیوں کہ مرتبۂ رسالت، مرتبۂ نبوت سے خاص ہے۔ ہر رسول کا نبی ہونا ضروری ہے۔ لیکن ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔ اور اسی پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے احادیث متواترہ مروی ہوئی ہیں جن کو صحابۂ کرام کی بڑی جماعت نے آپ سے نقل کیا ہے۔ حضرت امام اعظم کے زمانے میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس نے کہا کہ مجھے مہلت دو تاکہ اپنی نبوت پر دلائل پیش کروں۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص حضور علیہ السلام کے بعد دعویٔ نبوت کرے وہ بھی کافر ہے اور جو اس سے دلیل طلب کرے وہ بھی کافر ہے، کیوں کہ حضور نے فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔"

فتاویٰ رضویہ میں امام اہل سنت مجدد دین وملت سیدی امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاتم یعنی بعثت میں آخر جمیع انبیاو مرسلین بلا تاویل وبلا تخصیص ہونا ضروریات دین سے ہے جو اس کا منکر ہو یا اس میں ادنیٰ شک وشبہ کو بھی راہ دے، کافر مرتد ملعون ہے۔ آیت کریمہ "ولكن رسول الله و خاتم النبيين" وحدیث متواترہ "لا نبي بعدي" سے تمام امت مرحومہ نے سلفاً خلفاً یہی معنیٰ سمجھے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا تخصیص تمام انبیا میں آخری نبی ہوئے۔ حضور کے ساتھ یا حضور کے بعد قیامت تک کسی کو نبوت ملنی محال ہے۔"

یہ بات ذہن نشیں کرلینی چاہیے کہ "نبوت" کا مسئلہ عقیدے سے تعلق رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کا اثبات صرف قرآن عظیم کی آیات صریحہ اور احادیث متواترہ سے ہی ہوسکتا ہے۔ اخبار احاد بھی عقائد کی اصلاح کے لیے کافی نہیں ہیں اور نہ ہی فلاسفہ کے مبہم اقوال اس بحث میں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ نبی اس انسان کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے شریعت کی تبلیغ پر مامور کیا۔ خواہ وہ شریعت سابقہ ہو یا جدیدہ۔ گویا وہ اپنے اللہ کا منتخب اور مجتبیٰ ہوتا ہے۔ یہ بات عام انسانی اختیارات سے بالا تر ہے کہ وہ اپنے مجاہدات و مکاشفات کے ذریعہ نبی بن جائے۔ اللہ جسے چاہے نبوت عطا فرمائے۔ یہ من جانب اللہ مبعوث ہوتے ہیں۔ نبی کی شرائط سے یہ ہے کہ وہ اپنی صداقت پر معجزہ پیش کرے۔ کیوں کہ بغیر معجزہ کے نبوت صادقہ اور نبوت کاذبہ میں امتیاز نہیں ہوسکتا۔ نیز صحیح بخاری میں ہے کہ انبیاء میں سے کوئی نبی نہ تھا، مگر اسے ایسی نشانیاں دی گئیں جو ایک بشر کے ایمان لانے کے لیے کافی تھیں۔ نبی کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہو، اس کی زبان جاننے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ترجمہ: [ہم نے کسی قوم کی طرف رسول نہیں بھیجا، مگر اسی قوم کی زبان میں] (ابراہیم:۴) اور یہ تو بالکل بدیہی بات ہے کہ نبی پر جو وحی نازل ہوتی ہے وہ اس کا مفہوم و مطلب پوچھنے میں دوسروں کا محتاج نہیں ہوتا۔

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی نبوت کو ثابت کرنے اور لکن رسول الله و خاتم النبيين سے تعارض اٹھانے کے لیے غیر مستقل نبوت کا سہارا لیا ہے۔ اور اس لحاظ سے وہ کبھی اپنے آپ کو امتی نبی، کبھی غیر تشریعی نبی اور کبھی ظلی و بروزی نبی کہتا ہے۔ لیکن تمام اصطلاحات غیر اسلامی ہیں۔ قرآن عظیم اور احادیث متواترہ سے ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ نبی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے وحی حاصل کرکے لوگوں کو پہنچائے، خواہ اسے شریعت سابقہ کی وحی کی جائے یا جدیدہ کی۔ اور جس شخص کو اللہ نے یہ منصب دے دیا وہ

حقیقی، مستقل، اور تشریعی نبی ہے۔ ظل برازا، اسی نبی کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔ قرآن عظیم کے ارشاد سے یہ بات ظاہر ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے جس کی طرف اللہ وحی فرمائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی کے ذمہ وحی کے حاصل شدہ احکام کو بیان کرنا ہے۔ پس جو شخص وحی کا دعویٰ کرتا ہے وہ حقیقت میں نبوت مستقلہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ جس طرح اللہ واجب اور مستحق عبادت ہے اس کے سوا الوہیت کا اور کوئی مفہوم نہیں ہے، اسی طرح وحی اور اس کی تبلیغ کے سوا نبوت کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔ اور جس طرح کوئی شخص ظلی اور بروزی خدا نہیں ہو سکتا، اسی طرح کوئی شخص ظلی اور بروزی نبی نہیں ہو سکتا/اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات میں جس قدر چیزیں پیدا فرمائی ہیں ان کو تدریجاً اپنے کمال طبعی تک پہنچایا ہے۔ جب تک کوئی شے اپنے کمال طبعی تک نہیں پہنچتی اس وقت تک اس میں ارتقائی تغیرات آتے رہتے ہیں اور جب وہ ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی اپنے منتہائے کمال تک پہنچ جاتی ہے تو آخر عمر تک وہ اسی مرتبے پر رہتی ہے اور اس میں کوئی ترقی نہیں ہوتی۔ اس نہج پر اللہ تعالیٰ نے نظام شریعت قائم کیا، شرائع اور احکامات کا سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہو کر اپنے ارتقائی منازل طے کرتا ہوا حضور سید عالم ﷺ تک پہنچ کر اپنے منتہائے کمال تک آپہنچا۔ اس طرح رسالت، نبوت اور شریعت کی جس قدر اصطلاحیں تھیں وہ سب آپ ﷺ پر ختم ہو گئیں اور آپ کے بعد ان میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔

(مقالات سعیدی)

"خاتم النبیین" کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ بعثت انبیا کا سلسلہ حضور پر ختم ہو گیا ہے اور آپ کے بعد کوئی اور نبی مبعوث نہیں ہو سکتا، لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک خاتم کا معنیٰ مہر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ حضور کو اللہ نے نبوت کی مہر بنایا ہے۔ اور جس شخص پر حضور اپنی مہر لگا دیں وہ نبی نہیں بن جاتا ہے (العیاذ باللہ) چناں چہ میں بھی حضور کی مہر سے نبی بن گیا ہوں۔" اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ نبی بنانا اللہ کا کام ہے، حضور کا منصب نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ" (الانعام:۱۲۴) اللہ خوب جانتا ہے وہ کسے رسول بنائے گا۔ معلوم ہوا کہ رسالت کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، حضور نہیں ہیں۔ جس شئ کو بند کرنے کے بعد اس پر سیل اور مہر لگا دیتے ہیں اس کو عربی میں "ختم" سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے فرمایا گیا۔ "ختم اللہ علیٰ قلوبھم" کفار و مشرکین کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے۔ یعنی اب ان میں ہدایت نہیں آسکتی۔ اسی طرح ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ سلسلۂ نبوت پر حضور کے ذریعہ مہر اور سیل لگا دی ہے۔ اب حضور کے بعد اس میں کسی کی مزید نبوت کا اضافہ نہیں ہو سکتا ہے۔

حضور خاتم النبیین علیہ التحیۃ والثنا کے عہدِ مبارک میں جب مسیلمہ کذاب جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تو آپ کے خلیفۂ اعظم اور تحریک ختم نبوت کے مجاہدِ اول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں پوری قوت کے ساتھ اس فتنے کی سرکوبی فرمائی۔ حضور کے وصال ظاہری کے بعد جس مسئلے پر صحابۂ کرام کا سب سے پہلا اجماع ہوا وہ ختمَ النبوۃ کا مسئلہ تھا، حالاں کہ مسیلمہ کذاب بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح حضور سرورِ کائنات ﷺ کی نبوت اور قرآن عظیم کا منکر نہ تھا۔ بلکہ مرزا قادیانی کی طرح حضور کی نبوت پر ایمان لانے کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی مدعی تھا۔ یہاں تک کہ اس کی اذان میں "اشھد ان محمد رسول اللہ" پکارا جاتا اور وہ خود بھی بوقت اذان اس کی شہادت دیتا تھا۔ ۹ھ میں بنو حنیفہ کا جو وفد بارگاہِ رسول ﷺ میں حاضر ہوا تھا، اس میں مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ اس نے حضور سرورِ کائنات ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں عرض کی کہ اگر آپ مجھے اپنے بعد اپنا قائم مقام بنانے کا وعدہ کریں تو میں مسلمان ہونے کو تیار ہوں۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ کے دستِ مبارک میں کھجور کی ایک شاخ تھی، آپ نے مسیلمہ کاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "اگر تو مجھ سے کھجور کی یہ شاخ بھی مانگے گا تو میں تجھے نہیں دوں گا۔"

مسیلمہ کذاب جب اپنے قبیلے میں پہنچا تو اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اس کے ساتھیوں نے یہ مشہور کر دیا کہ "محمد رسول اللہ" نے مسیلمہ کو اپنا شریک کار تسلیم کر لیا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک) حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس جب اس کذاب کی خبر پہنچی تو آپ نے حضرت عکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا، بعد ازاں اس کی مدد کے لیے حضرت شرحبیل بن حسنہ کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا، پھر حضرت خالد بن قلید رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر مہاجرین کے دستے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے روانہ کیے گئے۔ مورخین کی رائے ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد یمامہ کا معرکہ سب سے بڑا معرکہ تھا، جنگ یمامہ میں ہی صحابۂ کرام نے "یا محمداہ" کا نعرۂ مستانہ بلند کر کے جھوٹی نبوت کے اس قلعے کو ہمیشہ کے لیے پیوندِ خاک کر دیا۔ حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ عظیم الشان کارنامہ قیامت تک مجاہدین ختم نبوت کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد جس کذاب نے بھی اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے کی کوشش کی تو اہلِ ایمان نے عشقِ رسالت کے جذبے سے سرشار ہو کر اسوۂ صدیقی پر چلتے ہوئے ان جھوٹے نبیوں کی جھوٹی نبوتوں کے محلات کو زمین بوس کر دیا۔ ختم نبوت کا مسئلہ صحابۂ کرام کے عہدِ مبارک

سے لے کر آج تک اجماعی مسئلہ رہا ہے، اور اس پر امت کے تمام افراد کا ہر دور اور ہر زمانے میں اتحاد رہا ہے۔ بلا شبہہ صحابۂ کرام کا یہ عمل آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز اسلامیانِ ہند کے جذبۂ حریت اور شوقِ جہاد سے حد درجہ خوف زدہ تھے، کیوں کہ انھیں علم تھا کہ جب تک اس سرفروش قوم کے دلوں سے جذبۂ جہاد نکالا نہیں جاتا تب تک اس قوم کو غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ اس لیے انھوں نے ایک ایسے شخص کو تیار کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا جو مسلمانوں کے دلوں سے جذبۂ جہاد کو فنا کر دے۔ یہ قرعہ انگریزوں کے ایک نمک خوار مرزا غلام احمد قادیانی کے نام نکلا۔ جس نے پہلے مسیحِ موعود اور پھر باضابطہ نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اور کہا کہ میری نبوت میں جہاد کرنے کا حکم منسوخ کر دیا گیا ہے۔ اب برصغیر میں بسنے والے مسلمانوں کو انگریزی حکومت کا وفادار بن کر رہنا چاہیے اور جہاد کے جذبے سے دستبردار ہو جانا چاہیے۔

مرزا قادیانی کے دعوائے نبوت کے بعد برصغیر کے علمائے اسلام میدانِ عمل میں اتر آئے اور انھوں نے اس جھوٹے نبی کے مکر و فریب سے امتِ مسلمہ کو محفوظ رکھنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی، انھوں نے ہر محاذ پر اس کا مقابلہ کیا، اس سے مناظرے کیے اور دلائل و براہین کی قوت سے اس کا بھرپور مقابلہ کیا، اس کی جھوٹی نبوت کے رد میں بے شمار کتابیں لکھیں، تاکہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔ دوسری طرف انگریزی خواں طبقے کے سامنے ختم نبوت کے مسئلے کو جدید رنگ میں پیش کرنے کا حضرت علامہ اقبال کو نصیب ہوا، جنھوں نے نہ صرف برصغیر میں قادیانیت کو بے نقاب کیا، بلکہ یورپ میں بھی اس فتنے کے خلاف بھرپور آواز اٹھائی۔ علامہ اقبال کی رائے میں اگر مرزا قادیانی نبوت کا دعویٰ نہ بھی کرتا اور صرف جہاد ہی کی مخالفت کرتا، تب بھی وہ امتِ محمدیہ میں شامل نہیں رہ سکتا۔ کیوں کہ فرضیتِ جہاد کا حکم قرآن عظیم میں موجود ہے۔ اور قرآن مجید کی کسی نص کا انکار ہی دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک ایسی نبوت "برگِ حشیش" کی مانند ہے جس کے عناصر میں قوت و شوکت اور دینی حمیت کا پیغام نہ ہو۔ وہ خود فرماتے ہیں:

وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

اپنی شاہ کار تصنیف "رموزِ خودی" میں ختم نبوت کے حوالے سے فرماتے ہیں:

پس خدا برما شریعت ختم کرد — ہر رسولِ ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفلِ ایام را — او رُسل را ختم، وما اقوام را
لانبی بعدی ز احسانِ خدا است — پردۂ ناموسِ دینِ مصطفیٰ است

ایک موقع پر ڈاکٹر اقبال نے پنڈت جواہر لال نہرو کو ایک مکتوب کا جواب دیتے ہوئے واضح الفاظ میں لکھا:

"میں اپنے ذہن میں اس امر کے متعلق کوئی شبہہ نہیں پاتا کہ احمدی (قادیانی) اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔"

Thoughts and reflections of Iqbal, P.306

"جامعۃ الازہر الشریف قاہرہ مصر" عالمِ اسلام کی قدیم ترین اور ممتاز و معتبر درس گاہوں میں سے ہے، اور وہاں کے اساتذہ اور علمائے کرام کی آرا کو عالمِ اسلام میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ۱۹۳۹ء میں قادیانیوں نے کوشش کی کہ کس طرح جامعۃ الازہر کے علما سے اپنی تائید میں فتویٰ حاصل کیا جائے۔ اس گروہ کا خیال تھا کہ اگر کسی دھوکہ دہی، فریب کاری اور سخن سازی کے نتیجے میں "الازہر" سے کوئی ایسی تحریر حاصل کر لی جائے، جس سے قادیانیوں کی حمایت کا پہلو نکلتا ہو یا نکالا جا سکتا ہو، تو اس کے ذریعہ سے دنیا کے بہت سے ناخواندہ مسلم عوام کو اپنے دامِ فریب میں لینے کا موقع میسر آ جائے گا۔ اس ناپاک مقصد کی تکمیل کے لیے دو قادیانی مبلغین مصر بھیجے گئے۔ اور انھیں طالب علم کی حیثیت سے جامعۃ الازہر کے کلیۃ اصول الدین میں داخل کرایا گیا۔ داخل ملتے ہی ان دونوں مبلغین نے مصر میں قادیانیت کے فروغ کے لیے کام شروع کر دیا۔ اور ابتدا میں انھوں نے دو عربی کتابچے "تعلیم الاحمدیۃ" اور "الاحمدیہ کما عرفنا" چھاپ کر مصری مسلمانوں میں پھیلانے کی کوشش کی۔ واضح رہے کہ سرزمینِ مصر پر "فرقہ قادیانیت" کا یہ پہلا تعارف تھا۔

اس زمانے میں مفتی شیخ محمد عبدہٗ کے تلمیذ رشید اور علامہ ڈاکٹر اقبال گہرے دوست شیخ مصطفےٰ المراغی شیخ الازہر تھے۔ ان کو جب قادیانیوں کی اس ناپاک حرکت کا علم ہوا تو انھوں نے کلیۃ اصول الدین کے سربراہ الشیخ عبد المجید اللبان کی سرکردگی میں ایک خصوصی کمیٹی قائم کی، جس کے سپرد یہ کام ہوا کہ وہ ان دونوں طالب علموں کے معاملے کی تحقیقات کرے کہ یہ کون لوگ ہیں، کس فرقے سے ان کا تعلق ہے۔ ان کا دین و مذہب کیا ہے اور یہ لوگ چاہتے کیا ہیں۔

اس کمیٹی میں جامعۃ الازہر کے متعدّد جید علما بھی شامل تھے۔ ان حضرات نے ان دونوں افراد کے سلسلے میں مفصل تحقیقات کی، قادیانیوں کے لٹریچر کا مطالعہ کیا اور آخر میں ایک جامع رپورٹ شیخ الازہر مصطفیٰ المراغی کو پیش کی۔ اس رپورٹ میں قادیانیوں کے عقائد کا جائزہ لینے کے بعد بتایا

گیا کہ قادیانی کافر ہیں اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ اس رپورٹ کے ملنے کے بعد مذکورہ دونوں قادیانی طلبہ کافر و مرتد قرار دیے گئے اور انھیں جامعۃ الازہر سے خارج کر دیا گیا۔ اور آئندہ جامعۃ الازہر میں قادیانی طلبہ کے داخلے پر ہمیشہ کے لیے پابندی عائد کر دی گئی۔

اس وقت پوری دنیا میں ختم نبوت کے منکر بہائی یا قادیانی ہیں۔ امریکہ اور جرمنی میں ایک ایسا گروپ موجود ہے جو علی باہ کی نبوت کا قائل ہے۔ بہائی اور علی باہ کے پیرو کار بہت کم تعداد میں ہیں، سب سے زیادہ قادیانی ہیں، جو مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو کار ہیں۔ ان کے دو فرقے ہیں، ان کی غالب اکثریت مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور رسول مانتی ہے (معاذ اللہ) دوسرا فرقہ مرزا قادیانی کو مجدّد اور محدث مانتا ہے۔ اسے لاہوری جماعت کہا جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مرزا کو الہام اور وحی میں اشتباہ ہو گیا۔ قادیانی اپنے علاوہ تمام مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک جو بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے۔

۳۰/ جون ۱۹۷۴ء کو حزبِ اختلاف کی طرف سے پاکستان کی قومی اسمبلی (Parliament) میں ایک قرار داد پیش ہوئی، یہ قرار داد حضور قائدِ اہلِ سنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمۃ نے پیش کی، جس پر ۵۱/ ارکان پارلیامنٹ کے دستخط تھے۔ اس کے ساتھ ہی وزیر قانون مسٹر عبد الحفیظ پیر زادہ نے ایک تحریک پیش کی، جس میں پوری قومی اسمبلی کو خصوصی کمیٹی قرار دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور اس کے سامنے غور کرنے کے لیے دو قرار دادیں پیش کی گئیں۔ اجلاس میں یہ بھی طے ہوا کہ اس خصوصی کمیٹی کے لیے چالیس ارکان کا کورم ہو گا۔ ۳۰/ ارکان حزبِ اقتدار اور ۱۰/ ارکان حزبِ اختلاف سے ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی دو ہفتے کے لیے قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔ اور خصوصی کمیٹی کا اجلاس شروع ہوا، قومی اسمبلی میں قادیانی مسئلے پر بحث شروع ہوئی۔ اس کے مطابق قادیانی اور لاہوری دونوں گروپ نے اپنے محضر نامے قومی اسمبلی (پاکستان) میں علاحدہ علاحدہ مختلف اوقات میں پیش کیے۔ ان کے جواب میں علمائے اہلِ سنت نے بھی ”قادیانی فتنہ اور ملتِ اسلامیہ“ کے نام سے اپنا تفصیلی موقف پیش کیا۔ یہ موقف دو حصوں پر مشتمل تھا۔ ایک حصہ مذہبی مباحث پر مشتمل تھا جسے علامہ سید ابو الحسنات قادری نے مرتب فرمایا تھا، جب کہ دوسرا حصہ قادیانی سیاست اور ان کے عزائم و مقاصد کے بارے میں تھا۔ جسے شیخ الحدیث شہزادۂ حضور صدر الشریعہ علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی الازہری نے مرتب کیا تھا۔ ان حضرات کی معاونت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے تلمیذ حضور حافظ ملت علامہ مفتی محمد ظفر نعمانی اعظمی، مجاہدِ ملت پاکستان علامہ عبد الستار خان نیازی، علامہ مفتی خلیل احمد خان برکاتی نے حوالہ جات کی ترتیب میں نمایاں کردار پیش کیا۔ لیکن باقاعدہ دونوں محضر ناموں کے جواب میں علامہ شاہ احمد نورانی نے پارلیامنٹ میں زبردست خطاب فرمایا اور ان کے طرف سے اٹھائے گئے سوالات کے جوابات دیے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والوں کی طرف سے اس وقت کا سربراہ مرزا ناصر احمد قومی اسمبلی میں پیش ہوا۔ ۵/ سے ۱۰/ اگست اور ۲۰/ سے ۲۴/ اگست تک کل گیارہ رز مرزا ناصر احمد کا بیان، اس سے سوالات و جوابات اور اس پر جرح ہوئی، ان گیارہ دنوں میں ۴۲/ گھنٹے مرزا ناصر پر جرح ہوئی۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے بھرے ایوان میں عقیدۂ ختم نبوت پر شب خون مارنے کو دندان شکن جوابات دیے۔ عشقِ رسالت میں ڈوبی ہوئی ان کی قد آور آواز نے قادیانی نمائندوں کو بھری محفل میں شکست و ریخت سے دو چار کر دیا۔ بالآخر ان کا جذبِ جنوں کیش کام آیا اور مورخہ ۷/ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو کافر و مرتد قرار دیا۔ اور پاکستانی دستور میں غیر مسلم اقلیت کی حیثیت سے انھیں تسلیم کیا گیا۔

قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے قائد اور جمعیت علمائے پاکستان کے پارلیمانی لیڈر علامہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمۃ نے قادیانیوں کے خلاف جو جامع قرار داد پیش کی تھی، اس کا خلاصہ یہ ہے:

”مرزا غلام احمد قادیانی نے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور یوں اس نے بہت سی آیات قرآنی کو جھٹلایا ہے۔ جہاد کو ختم کرنے، مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ کرنے، اسلام کے بڑے بڑے احکامات کی خلاف ورزی کرنے کی کوشش کی ہے۔ امتِ مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو کار چاہے اس کی نبوت پر یقین رکھتے ہوں یا پھر اسے ایک مصلح یا مذہبی رہنما کی حیثیت سے اسے مانتے ہوں۔ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ اس کے پیرو کار اسے چاہے کوئی نام دیں، مگر یہ مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر اور اسلام کا ایک فرقہ ہونے کا بہانہ بنا کر اندرونی اور بیرونی طور پر تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں، اب اس اسمبلی کو یہ اعلان کرنے کی کارروائی کرنی چاہیے کہ مرزا غلام احمد قادیانی انھیں چاہے کوئی بھی نام دیں، مسلمان نہیں۔ اور یہ کہ قومی اسمبلی میں ایک سرکاری بل پیش کیا جائے کہ اس اعلان کو مؤثر بنانے کے لیے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ایک غیر مسلم اقلیت کے طور پر ان کے جائز حقوق و مفادات کے تحفظ کے لیے احکام وضع کرنے کی خاطر آئین میں مناسب اور ضروری ترمیمات کی جائیں۔“

..............................(باقی ص:۴۰ پر)

آخری قسط

تخلیقِ انسان اور انسانی جسم

اسلام اور سائنس کی نظر میں

مہتاب پیامی

انسانی جلد اور احساسِ درد کا نظام

سطحی رقبے کے لحاظ سے انسانی جسم کا سب سے بڑا اور اہم ترین جزو جلد ہے۔ یہ نہ صرف تمام جسم کو بیرونی طور پر ڈھانپتی ہے بلکہ جسم کے سوراخوں (منہ، ناک، کان، پیشاب اور پاخانے کے سوراخ) میں اندر تک جاتی ہے۔ حتیٰ کہ آنکھ کے ڈیلے پر بھی یہ ایک باریک شفاف جھلی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ مزید یہ کہ جسم پر موجود بال اور ناخن بھی حقیقت میں جلد ہی کے زائدے ہیں۔ یہ جلد جسم کے اعضا کو بیرونی صدموں اور چوٹوں سے بچاتی ہے۔ نیز جراثیم اور دیگر خوردبینی جان داروں کے حملے سے بھی محفوظ رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ سورج سے آنے والی الٹرا وائلٹ شعاعوں (Ultra Violet Rays) سے بھی جسم کو بچانا اسی کا کام ہے۔

جلد میں خون کا ایک الگ ترسیلی نظام ہوتا ہے اور خون کی نہایت باریک نالیاں جلد کے اندرونی حصے میں بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ جلد کی بیرونی سطح پر اعصاب کے بہت سے سرے پائے جاتے ہیں جو جسم کو بیرونی طور پر درپیش حالات کی اطلاعات دماغ تک پہنچاتے ہیں۔

انسانی جلد کی موٹائی 0.05 سینٹی میٹر سے 0.65 سینٹی میٹر تک ہوتی ہے۔ یہ آنکھ کے پپوٹوں پر سب سے پتلی اور پاؤں کے تلووں پر سب سے موٹی ہوتی ہے۔ انسانی جلد کا کل وزن ڈھائی سے ساڑھے چار کلو تک ہوتا ہے۔ یہ وزن پورے جسم کے وزن کے سولھویں حصے کے برابر اور جگر یا دماغ کے وزن سے دوگنا ہوتا ہے۔ جسم میں گردش کرنے والے سارے خون کا ایک تہائی اس کی سطح تک پہنچتا ہے۔ اس کا کل سطحی رقبہ 20000 مربع سینٹی میٹر ہے یعنی اگر اسے کسی ہموار تختے پر پھیلایا جائے تو دو میٹر لمبائی اور ایک میٹر چوڑائی کی ایک چادر بنتی ہے۔ اس کے ہر مربع سینٹی میٹر میں کل 3000000 خلیات (Cells) پائے جاتے ہیں۔ جن میں اوسطاً 10 بال، چکنائی پیدا کرنے والی غدود، 3000 حسی خلیات، عصبی رگیں 4 گز، لمس کی تحریک وصول کرنے کے لیے 25 فشاری آلات، درد کو ریکارڈ کرنے والے 200 اعصاب کے سرے، ٹھنڈک محسوس کرنے والے 2 آلات اور گرمی وصول کرنے والے کل 12 آلات پائے جاتے ہیں۔ اب پوری جلد میں ان ساختوں کی تعداد معلوم کرنے کے لیے ان اعداد کو 20000 سے ضرب دے لیں۔

یہ جسم کے بیرونی جراثیموں کے خلاف بھی ایک رکاوٹ ہے۔ اس رکاوٹ کے باعث جراثیم جسم میں براہ راست داخل نہیں ہو سکتے۔ اگر کسی وجہ سے جسم پر جلد کا یہ غلاف کہیں کٹ پھٹ جائے تو اس جگہ سے جسم ننگا ہو جاتا ہے اور جراثیموں کے لیے اندر داخل ہونے کا راستہ کھل جاتا ہے۔ تاہم جسم کے خودکار مدافعتی نظام کے باعث یہ جراثیم باہر ہی خون کے خلیوں سے لڑ مر کر ختم ہو جاتے ہیں اور اس دوران جلد پر لگنے والا یہ زخم ایک ماہر رفوگر سے بھی زیادہ ماہرانہ انداز میں خود بخود مندمل ہو جاتا ہے، اس کے بعد بہنے والا خون گاڑھا ہو جاتا ہے اور پھر جیلی کی طرح جم جاتا ہے اور زخم کا منہ خود بخود بند ہو جاتا ہے۔ اس جمے ہوئے خون میں چھوٹے ریشے ہوتے ہیں جو ایک طرح کا جال سا بُن دیتے ہیں۔ تھوڑے عرصے میں کٹی ہوئی جلد کی قدرتی طور پر مرمت ہو جاتی ہے اور جما ہوا خون آہستہ آہستہ سخت ہو کر کھرنڈ بن جاتا ہے اور پھر خود بخود جھڑ جاتا ہے۔

جلد میں جگہ جگہ ننھے ننھے اعضائے حاسہ بھی موجود ہوتے ہیں۔ یہ حسی اعضا لمس، حرارت، سردی، دباؤ اور درد کو محسوس کرتے ہیں۔ اور جسم کے مختلف مقامات پر ان کی تعداد مختلف ہوتی ہے۔ یہ اعصاب مرکزی عصبی نظام سے آنے والی تحریکات کو متعلقہ اعضا تک پہنچاتے ہیں اور متعلقہ اعضا سے آنے والی تحریکات کو مرکزی عصبی نظام

تک پہنچاتے ہیں۔ مرکزی عصبی نظام سے آنے والے جو اعصاب جلد میں داخل ہوتے ہیں، وہ جلد کی اندرونی تہ ادمہ (Dermis) میں موجود چھوٹی چھوٹی شریانوں کی دیوار کے سادہ عضلات میں منقسم ہوجاتے ہیں۔ نیز بالوں کو حرکت دینے والے عضلات اور جلد میں پائے جانے والے پسینے کی غدود میں بھی یہ اعصاب موجود ہوتے ہیں۔ جلد سے مرکزی نظام عصبی کی طرف پیغامات لے جانے والے اعصاب کے سرے مخصوص اور مختلف قسموں کے ہوتے ہیں۔ یہ سرے فرد کے ماحول میں ہونے والی تبدیلیوں سے متاثر ہوتے ہیں اور پھر یہ مرکزی عصبی نظام کو جو پیغامات بھیجتے ہیں اس کے نتیجے میں دماغ میں احساسات پیدا ہوتے ہیں۔ یوں ان ذرائع سے ہم اپنے جسم کے اردگرد کے ماحول کے بارے میں علم حاصل کرلیتے ہیں۔

جب ننگی جلد پر الٹراوائلٹ شعاعیں براہ راست پڑتی ہیں تو جلد میں پہلے سے موجود ایک مادہ وٹامن ڈی (Vitamin D) میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ یہ وٹامن بعد میں جسم میں جذب ہوجاتا ہے اور کیلشیم کے انجذاب میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جلد ایک بہت زیادہ موثر حسی عضو ہے۔ اس میں ایسے اعصاب کے سرے پائے جاتے ہیں جو چھونے، درد محسوس کرنے اور درجہ حرارت میں تبدیلی کو دماغ میں محسوس کرانے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ ہماری جلد ایسی اطلاعات کا ایک اہم ذریعہ ہے جن کی بنا پر ہم جلتی آگ جیسی نقصان دہ تحریکوں سے خود کو دور کرلیتے ہیں اور اپنے آپ کو محفوظ مقام پر لے جاتے ہیں۔

ساخت کے لحاظ سے جلد دو تہوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک بیرونی پتلی تہ جس کو برادمہ (Epidermis) کہتے ہیں۔ یہ تہ برحلمی (Epithelial) خلیوں پر مشتمل ہوتی ہے جو باہم بہت سے زیادہ ٹھنسے ہوتے ہیں۔ اس کے نیچے ایک اندرونی موٹی تہ ہوتی ہے، جو ادمہ (Dermis) کہلاتی ہے۔ یہ دونوں تہیں ایک دوسری کے ساتھ مضبوطی سے جڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ البتہ اگر جلد کو بہت زیادہ رگڑ پہنچے تو اس کے نتیجے میں برادمہ چھل کر ادمہ سے الگ ہوجاتی ہے، جیسے ڈھیلا جوتا پہن کر چلنے سے پاؤں کی کھال چھل جاتی ہے۔ بہت زیادہ رگڑ سے جب برادمہ ادمہ سے الگ ہوجائے تو ان دونوں کے درمیان بین خلوی سیال (Interstitial Fluid) جمع ہوجاتا ہے جس کے نتیجے میں یہ دونوں تہیں مزید ایک دوسرے سے الگ ہوجاتی ہیں اور یوں برادمہ چھالے کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ ادمہ کے نیچے ایک زیر جلدی تہ (Suhcutaneous Layer) ہے۔ اس تہ کو تحت الجلد (Superficial Fascia or Hypodermis) کہا جاتا ہے۔ یہ تہ خلوی اور شحمی بافتوں پر مشتمل ہے۔ ادمہ سے ریشے نکل کر نیچے اس زیر ادمہ میں داخل ہوتے ہیں اور جلد کو اس زیر ادمہ تہ کے ساتھ منسلک کرتے ہیں۔ یہ زیر ادمہ آگے نیچے موجود بافتوں اور اعضا سے مضبوطی کے ساتھ جڑی ہوتی ہے۔

برادمہ چار یا پانچ خلوی تہوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ برادمہ کی ان خلوی تہوں کی تعداد کا انحصار جسم میں جلد کے محل وقوع پر ہے۔ جہاں جلد کو بیرونی رگڑ کا سب سے زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسے ہتھیلیاں اور تلوے، وہاں برادمہ کی پانچ تہیں ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر تمام مقامات پر اس کی چار تہیں ہوتی ہیں۔

جلد کی اندرونی تہ ادمہ ہے جسے بعض اوقات "جلد حقیقی" بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں خون کی نالیوں، لمفی نالیوں، اعصابی ریشوں اور جلدی غدود کا گھنا جال سا بنا ہوتا ہے۔ یہ تمام چیزیں ایک لچک دار اور ریشے دار بافت، واصلی بافت (Connective Tissue) میں مضبوطی سے جمی ہوتی ہیں۔ یہ لیس دار ریشے ہی دراصل جلد میں تناؤ برقرار رکھتے ہیں۔ بڑھاپے میں یہ ریشے کمزور ہوکر الاسٹک کی تاروں کی طرح ڈھیلے پڑجاتے ہیں اور یوں جلد میں جھریاں پڑجاتی ہیں۔ یہ ادمہ ہتھیلیوں اور تلووں میں بہت موٹی اور آنکھ کے ڈیلے، ذکر اور فوطوں میں بہت پتلی ہوتی ہے۔ پھر جسم کے بطنی جوانب کی ادمہ بھی موٹائی کا رجحان رکھتی ہے۔

جلد کے اس حصے میں پائے جانے والے غدود دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک پسینے کے غدود، دوسرے چربیلے غدود۔ پسینے کے غدود پسینہ بنانے کے ذمہ دار ہیں۔ یہ غدود ہمارے لیے بہت اہم ہیں کیونکہ ان غدودوں کی وجہ سے ہمارے جسم کا درجہ حرارت ایک خاص حد سے بڑھنے نہیں پاتا۔ چربیلے غدود ایک طرح کی چربی خارج کرتے رہتے ہیں، جسے شحم (Sebum) کہا جاتا ہے۔ یہ چربی جسم کی سطح کے لیے ایک لحاظ سے حفاظتی کام سرانجام دیتی ہے۔ بالوں کی جڑیں اسی حقیقی جلد یعنی ادمہ میں موجود ہوتی ہیں۔

عام طور پر صدیوں سے لوگ یہی بات جانتے تھے کہ تمام جسم کو درد کا احساس ہوتا ہے۔ اگر انگلی کو کانٹا بھی لگ جائے تو بجائے اس کے کہ صرف متاثرہ حصے ہی کو درد محسوس ہو، پورے جسم کو درد کا احساس

ہوتا ہے۔ اور اس وقت لوگ اس بات کو نہیں جانتے تھے کہ انسان کی جلد کے اندر کچھ مخصوص رگیں اور اعصاب ہیں جو درد کی حس اور دوسری حسوں کو محسوس کرتے ہیں، جن سے انسان کا جسم متاثر ہوتا ہے اور وہ اپنا ردِعمل ظاہر کرتا ہے۔ یعنی انسان کی جلد کے اندر ہی Pain Receptors پائے جاتے ہیں۔ اور ابھی شعبہ علم الاعضا میں جدید تحقیق کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ انسان کو ہر قسم کے درد کا احساس ،انسان کی جلد میں پائے جانے والے اعصاب اور مخصوص رگ جس کو رگِ ختمی (Nerve Ending) کہتے ہیں، کے ذریعے ہوتا ہے۔

انسان کے جسم کے اندر اہم ترین رگیں تین طرح کی ہیں جو مختلف چیزوں کو محسوس کرتی ہیں۔

ا۔ چھونے کا احساس: خون کا چھوٹے سے چھوٹا جز (Corpuscles) اس حس کو محسوس کرتا ہے جسے Meissners and Merkels Corpuscles کہتے ہیں۔

۲۔ درد کا احساس: یہ جلد میں موجود رگ ختمی کے ذریعے محسوس ہوتا ہے۔

۳۔ گرمی وحرارت کا احساس: اس حس کی ذمہ داری Ruffini Cylinders Corpuscles پر ہوتی ہے۔

جلد کو درد کا احساس عموماً جلد کے جلنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جلد کے جلنے کو تین درجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

پہلے درجے کا جلنا:... سورج کی تپش اور گرمی سے جلد کی اوپر والی سطح (Epidermis) متاثر ہو جاتی ہے اور اس جگہ میں سوجن اور ورم پیدا ہوتا ہے اور جگہ سرخی مائل ہو جاتی ہے۔ جس سے انسان تکلیف محسوس کرتا ہے۔ اور عام طور پر یہ تکلیف دو سے تین دن میں ختم ہو جاتی ہے۔

دوسرے درجے کا جلنا:... اس درجے کے جلنے میں انسان کی جلد کا اوپر والا حصّہ (Epidermis) اور اندرونی حصّہ (Dermis)، دونوں زخمی ہو جاتے ہیں یا جل جاتے ہیں۔ دونوں حصّے آپس میں علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ان دونوں حصّوں کے درمیان بدن کی رطوبات خون سے الگ ہو کر جمع ہو جاتی ہیں۔ اس صورت میں متاثرہ آدمی کو بہت سخت درد ہوتا ہے اور آبلہ یا چھالہ بن جانے کے بعد رگِ ختمی ننگی ہو جاتی ہے اور جب اس کو رگڑ لگتی ہے تو اس کی تکلیف اور درد میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح کی جلد کو اپنی اصلی حالت میں واپس آنے اور صحت مند ہونے میں تقریباً دو ہفتے لگ جاتے ہیں۔

تیسرے درجے کا جلنا:... اس درجے میں جلد کی پوری تہ جل جاتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ زخم پٹھوں اور ہڈیوں تک پہنچ جائے۔ اس صورت میں جلد میں لچک ختم ہو جاتی ہے۔ اور وہ خشک اور کھردری ہو جاتی ہے۔ اس حالت میں متاثرہ شخص کو زیادہ درد نہیں ہوتا کیونکہ رگِ ختمی اور درد کو محسوس کرنے والے اعصاب تقریباً مکمل طور پر جلنے کی وجہ سے ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ اسی بات کی طرف اشارہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ؕ کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَزِیْزًا حَکِیْمًا﴾

"جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے انہیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزا چکھیں' اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے اور اپنے فیصلوں کو عمل میں لانے کی حکمت خوب جانتا ہے"۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ "جیسے ہی ان کے جسموں کی کھال جل جائے گی" کیونکہ جلنا تو تھوڑا بھی ہو سکتا ہے۔ بلکہ فرمایا" جیسے ہی ان کے جسموں کی کھال گل جائے گی "یعنی جب درد کو محسوس کرنیوالے اعصاب اور رگیں جل جائیں گی تو تب اللہ تعالیٰ ان کی جگہ تازہ رگوں والی جلد پہنا دے گا کہ جس سے ان کو درد کی تکلیف کا احساس مسلسل ہوتا رہے۔

پروفیسر ٹیجاٹا ٹیجاسین (Professor Dr. Tegata Tejasen) جو تھائی لینڈ کی "چیانگ مائی یونیورسٹی" کے شعبہ علم تشریح الاعضا (Anatomy) کے چیئر مین ہیں، انھوں نے جلد میں پائے جانے والے پین ریسیپٹرز پر تحقیق میں بہت وقت صرف کیا ہے۔ شروع میں وہ اس بات پر یقین نہیں رکھتے تھے کہ قرآن نے اس جیسی سائنسی حقیقت کو ۱۴۰۰ سال پہلے بیان کیا ہوگا۔ بعد ازاں انھوں نے قرآن مجید کی اس خاص آیت کے مفہوم پر تحقیق و جستجو کی۔ اس تحقیق کے نتیجے میں پروفیسر ٹیجاٹا ،قرآن مجید کی اس

سائنسی مطابقت پر اس قدر متاثر ہوئے کہ ریاض میں " قرآن وسنت میں سائنسی نشانیاں " کے موضوع پر ہونے والی آٹھویں سعودی میڈیکل کانفرنس میں حاضرین کے سامنے بڑے فخر سے کلمہ طیبہ پڑھنے کا اعلان کردیا۔

طب جدید نے دریافت کیا ہے کہ وہ اعصاب جو درد کا ادراک کرتے ہیں خواہ وہ درد چوٹ لگنے، جلنے یا شدید گرمی وسردی کی وجہ سے ہو وہ اعصاب فقط جلد میں ہی پائے جاتے ہیں، یعنی اگر جسم میں سوئی چبھوئی جائے تو درد صرف جلد پر ہوگا لیکن اگر سوئی جلد سے آگے گزار دی جائے تو بقیہ گوشت میں فی الواقع درد نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم میں دوزخیوں کی جلد جلنے کے بعد اس کو تبدیل کرتا رہے گا تاکہ ان کو جلنے کا عذاب برابر ہوتا رہے۔

چنانچہ جدید سائنس نے جس حقیقت کو حال ہی میں دریافت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ۱۴۰۰ سال پہلے ہی قرآن مجید میں نازل فرمادیا تھا، تو اب بھی اگر کوئی قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہ مانے تو وہ اپنی بدقسمتی وبدبختی کا ماتم کرے۔

فنگر پرنٹ

قیامت کے منکر اس بات کو ماننے کے لیے بالکل تیار نہیں ہیں کہ وہ انسان کہ جس کی ہڈیاں مرنے کے بعد گل سڑ کر ختم ہوجاتی ہیں، قیامت کے دن پھر جی اٹھے گا، یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہر انسان وہی شکل وصورت لے کر دوبارہ زندہ ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب درج ذیل آیت میں دیا ہے:

﴿اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَہٗ ۔ بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰۤی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ﴾

"کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں اکٹھی نہ کرسکیں گے؟ کیوں نہیں، ہم اس بات پر قادر ہیں کہ (پھر سے) اس کی انگلیوں کے پور پور تک درست بنادیں"

ماں کے پیٹ میں حمل کے چوتھے مہینے میں جنین کی انگلیوں پر نشانات بنتے ہیں، جو پیدائش سے لے کر مرنے تک ایک ہی جیسے رہتے ہیں۔ انگلیوں کے نشان، آڑھی ترچھی، گول اور خمدار لکیروں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جو انسان کی جلد کے اندرونی وبیرونی حصّوں کی آمیزش سے بنتے ہیں۔ کسی بھی انسان کی پہچان اور شناخت کے لیے ہاتھ کی لکیریں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ دو سو سال پہلے انگلیوں کے نشانات اس قدر اہم نہ تھے کیونکہ انیسویں صدی کے آخر میں یہ بات دریافت ہوئی تھی کہ انسانوں کی انگلیوں کے نشان ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ۱۸۸۰ء میں ایک انگریز سائنس دان Henry Faulds نے اپنے ایک مقالے میں جو "نیچر" نامی جریدے میں شائع ہوا، اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ لوگوں کی انگلیوں کے نشان عمر بھر تبدیل نہیں ہوتے ہوتے اور ان کی بنیاد پر ایسے مشتبہ لوگ جن کی انگلیوں کے نشان کسی شے پر مثلاً شیشے وغیرہ پر رہ جاتے ہیں' مقدمہ چلایا جاسکتا ہے۔ ایسا پہلی بار ۱۸۸۴ء میں ہوا کہ انگلیوں کے نشانات کی شناخت کی بنا پر ایک قتل کے ملزم کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اس دن سے انگلیوں کے نشانات شناخت کا نہایت عمدہ طریقہ بن گئے ہیں۔ تاہم ۱۹ویں صدی سے قبل جدید سائنس نے غالباً بھول کر بھی نہ سوچا ہوگا کہ انسان کی انگلیوں کے نشانات کی لہردار لکیریں بھی کچھ معنی رکھتی ہیں اور ان پر غور بھی کیا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے گذشتہ صفحات میں بتایا، ساخت کے لحاظ سے جلد دو تہوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک بیرونی پتلی تہ جس کو برادمہ (Epidermis) کہتے ہیں۔ یہ تہ برحلمی (Epithelial) خلیوں پر مشتمل ہوتی ہے جو باہم بہت زیادہ پیوست ہوتے ہیں۔ اس کے نیچے ایک اندرونی موٹی تہ ہوتی ہے، جو ادمہ (Dermis) کہلاتی ہے۔ ادمہ کی سطح بہت سے مقامات پر انگلیوں کی طرح کے ابھاروں کی صورت میں اٹھی ہوتی ہے۔ یہ ابھار برادمہ میں گھسے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں ثالیل (Papillae) یا ادمی ثالیل (Dermal Papillae) کہتے ہیں۔ یہ ابھار ہتھیلی اور تلووں (بمعہ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کے) پر سب سے زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ خاص طور پر ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کی سیدھی جانب ان ابھاروں کی قطاریں اس حد تک واضح ہوتی ہیں کہ ان کے نشانات کاغذ یا کسی بھی چیز پر حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ ہر فرد کی انگلیوں اور انگوٹھے میں ان ابھاروں کی ترتیب اور انداز مختلف ہوتے ہیں۔ یعنی ایک آدمی کی انگلیوں کے یہ نشانات کسی بھی دوسرے آدمی سے نہیں ملتے۔ حتیٰ کہ جڑواں بچوں کے بھی نہیں۔ نیز ایک ہی آدمی میں یہ ابھار ایک جیسے رہتے ہیں اور زندگی کے کسی بھی مرحلے میں تبدیل نہیں ہوتے۔ البتہ عمر کے ساتھ ساتھ یہ سائز میں بڑے ہوتے جاتے ہیں۔

بچے میں یہ ابھار حمل کے تیسرے اور چوتھے مہینے کے درمیان میں اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب برادمہ نیچے موجود ادمی ابھاروں کے

خدوخال کے موافق ہوجاتی ہے۔ ان ابھاروں کا کبھی بھی نہ تبدیل ہونے کی خاصیت ہر انسان کی انفرادی پہچان کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ چونکہ پسینوں کے غدود کی نالیاں برادمی ابھاروں کی چوٹیوں پر کھلتی ہیں، اسی لیے جب کسی ہموار چیز کو چھوا جاتا ہے تو اسی پر انگلیوں (یا پاؤں) کے نشانات ثبت ہوجاتے ہیں۔

جدید سائنس نے حال ہی میں انکشاف کیا ہے کہ جرائم کی تحقیقات میں پولیس کو بہت جلد انگلیوں کے نشانات سے لوگوں کے طرز زندگی کے بارے میں بھی اہم معلومات حاصل ہو سکیں گی جن کی مدد سے انہیں مجرم تک پہنچنے میں بہت مدد ملے گی۔ برطانیہ میں ہونے والی ایک تحقیق سے ایسے امکانات پیدا ہوئے ہیں جن سے سگریٹ نوشی 'منشیات کے استعمال یا انگلیوں کے نشانات میں عمر کے ساتھ رونما ہونے والی تبدیلیوں کا پتا چلایا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر جکیلز کا کہنا ہے کہ جب انسان کسی چیز کو چھوتا ہیں تو کچھ نامیاتی مرکبات انگلیوں کے پوروں سے اس چیز پر لگ جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ انگلیوں کے پوروں میں بہت سے نامیاتی مرکبات پائے جاتے ہیں اور یہ بہت سے امکانات کو جنم دیتے ہیں۔ اس طرح کا ایک نامیاتی مرکب جس سے کولیسٹرول بھی بنتا ہے انسانی پوروں میں بڑی تعداد میں پایا جاتا ہے۔ یہ مرکب جسے سکیولین کہا جاتا ہے انسانی ہاتھ سے مس ہونے والی چیز پر رہ جاتا ہے۔ اس کاروایتی طریقے یا انسانی آنکھ سے پتا لگانا ناممکن ہے۔

ڈاکٹر جکیلز کے مطابق بالغوں 'بچوں اور عمر رسیدہ لوگوں کی انگلیوں سے مختلف نوعیت کے نامیاتی مرکبات چیزوں پر لگتے ہیں۔ اس کے علاوہ منشیات کا استعمال کرنے والوں کی انگلیوں کے پوروں سے جو نامیاتی مرکبات چیزوں پر لگتے ہیں اس میں ان نشہ آور اشیا کے اثرات بھی پائے جاتے ہیں جو وہ استعمال کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مندرجہ بالا آیت میں فرماتا ہے کہ وہ نہ صرف ہماری ہڈیوں کو دوبارہ بالکل اسی طرح جوڑ دے گا جیساکہ وہ پہلے تھیں بلکہ ان کی انگلیوں کے پوروں کے نشانات بھی بالکل ویسے ہی ہوں گے جیساکہ پہلے تھے۔ قرآن یہاں پر انسانوں کی شناخت کے حوالے سے انگلیوں کے نشانات کو کیوں اہمیت دے رہا ہے جبکہ ۱۸۸۰ء سے پہلے انگلیوں کے نشانات کے ذریعے کسی انسان کی انفرادیت یا شناخت کا تصور بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ چنانچہ اربوں کھربوں انسانوں کی ہلاکت کے بعد قیامت کے دن دوبارہ ان کو زندہ کرنا جب کہ ان کی ہڈیاں ریزہ ریزہ اور جسم گل سڑ چکے ہوں گے، دوبارہ اسی شکل وصورت میں پیدا کرنا بلکہ انگلیوں کے پور پور تک کا اسی پہلی بناوٹ میں ہونا، اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے۔ چنانچہ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی انگلیوں کی لکیروں میں جو راز پنہاں رکھا ہے وہ اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو بے مثال انجینئرنگ اور ڈیزائنگ صرف چند مربع سینٹی میٹر کے رقبے میں کی ہے کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ انسان اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اتنی چھوٹی سی جگہ کے اندر اربوں، کھربوں نمونے تیار کیے جاسکتے ہیں۔ بے شک اللہ رب العزت علیم و خبیر، وہی ہمارا خالق ہے اور وہی جانتا ہے کہ انسان کی پیدائش کس طرح ہوئی، پھر اس کا انجام کیا ہوگا۔

حوالے۔

(۱)۔ http://www.nmsl.chem.ccu.edu

(۲)۔ http://www.islamicmedicine.org

(۳)۔ النساء، ۴:۵۶

(۴)- www.islam-guide.com

(۶)۔ القیامہ، ۳:۷۵-۴

(۷)۔ ہماری جلد، اردو سائنس بورڈ لاہور، صفحہ ۲۵-۲۶

☆☆☆☆

ضروری اعتذار

ستمبر ۲۰۱۵ء کے شمارے میں راقم کا مضمون بعنوان ”قربانی کے مسائل اور احتیاط“ شائع ہوا تھا، اس میں ملک نصاب کی موجودہ پیمانے کے مطابق مقدار ۶۰ر گرام ۷۵۵ ملی گرام سونے اور ۴۲۵ گرام ۲۸۵ ملی گرام چاندی درج ہے۔ مضمون شائع ہونے کے بعد متعدّد علماے کرام نے ہماری غلطی کی جانب توجہ دلائی کہ موجودہ پیمانے کے مطابق ملک نصاب کی صحیح مقدار ۹۳ر گرام ۳۱۲ ملی گرام سونا اور ۶۵۳ر گرام ۱۸۴ ملی گرام چاندی ہے۔“

میں اپنی کوتاہی کے لیے نادم اور معذرت خواہ ہوں۔

قارئین اپنے موصولہ ماہ نامہ اشرفیہ میں اس کی تصحیح فرمالیں۔

از: محمد اظہار النبی حسینی

انوارِ حیات

آٹھویں قسط

مرشدِ اعظم ہند احسن العلما مارہروی

مبارک حسین مصباحی

حضرت شرف ملت نثر و نظم دونوں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں نعت، منقبت، غزل، قطعات، رباعی وغیرہ اصناف سخن پر آپ مسلسل طبع آزمائی فرماتے رہتے ہیں۔ شعر جذبوں کے جمالیاتی اظہار کا وسیلہ ہے۔ عہد حاضر میں نعت کے جمالیاتی اظہار پر قادر اور موضوع کے تقدس کا ادراک رکھنے والے اردو کے شعرا کی تعداد خاصی طویل ہے۔ اس طویل فہرست میں اشرف مارہروی کا نام کافی بلندی پر ہے۔ نعت نگاری فن کاری نہیں توفیق الٰہی سے سعادت مندی ہے۔ سرور کائنات ﷺ کی ذات جلوہ نما ہوتی ہے تو شاعر کے دل کی دنیا مہک اٹھتی ہے اور حرم دل میں کیف آگیں عشق کے چراغ فروزاں ہو جاتے ہیں، نعت پیرہن نور بھی ہے اور ایمان کی سالمیت کا پیمانہ بھی، اس کا ہیولیٰ اور صورت جسمیہ عشق کی صداقت اور کمال ادب و احتیاط کی متقاضی ہے۔ امام احمد رضا نے کتنے پتے کی بات کہی ہے کہ ”نعت لکھنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے“۔ افراط و تفریط کی حد بندی نے اس رہ گزر کو پل صراط بنا دیا ہے جہاں بڑے بڑے کج کلاہانِ فکر و فن کے قدم لرزتے ہیں کہ یہاں ”جنبش لب خارج از آہنگ خطا ہے“ پروفیسر محمد اسحاق قریشی لکھتے ہیں:

> ”شاعری کی دنیا کے کئی معتبر نام ایسے ہیں جو نعت کہنے کی سعادت سے محروم رہے اس لیے کہ نعت میں ”غرۂ شاعری“ کام نہیں آتا یہ تو ایک توفیق ہے اور عطائے ممدوح ہے اس میں عجز کی سرفرازی ہے یہ ایک موہبت ہے، ذات وہاب جب کرم فرماتی ہے تو مشرف ہونے والے کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ یہ کرم کب اور کیسے ہوا“۔ (جادہ رحمت کا مسافر، ص:۱۹)

حضرت شرف ملت اس پل صراط پر بڑی خوش اسلوبی سے گزر رہے ہیں۔ ان کے یہاں ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے عشق کی صداقت بھی ہے اور فراوانی بھی، الفاظ کی شوکت بھی ہے اور فکر کی بلندی بھی، معانی کی گہرائی بھی ہے اور لب و لہجہ کی دل آویزی بھی، مشکل زمینوں میں نت نئی تعبیروں کے ساتھ احتیاط و ادب کا دامن تھام کر وہ اس ادائے دل نوازی کے ساتھ گزر جاتے ہیں کہ فن کا آئینہ بھی جگمگا اٹھتا ہے اور اہل ایمان کے قلوب بھی معطر ہو جاتے ہیں۔

حضرت شرف ملت بڑے چاق و چوبند، حاضر دماغ اور زود گو بھی ہیں۔ ۲۹/ جنوری ۲۰۰۰ء کو حج ہاؤس ممبئی میں ”جشن شارح بخاری“ کا اہتمام کیا گیا تھا اس میں مصباحی اسکول کے معروف شاعر ماہر عروض ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرؔر مصباحی نے اپنی منقبت پیش کی جیسے ہی شرؔر صاحب نے مائک چھوڑا حضرت شرف ملت نے بروقت برجستہ ایک رباعی پیش کی اور اہل علم و فن اور سخن وران عصر کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

اے شعر و سخن کے قبلہ گاہی
یہ منقبت کہنے میں تری جاں کاہی
سب اہل سخن کہتے ہیں سبحان اللہ
اے ماہر علم عروض شرؔر مصباحی

اب بطور نمونہ ذیل میں حضرت اشرف مارہروی کے چند نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیے:

شرافت کا سخاوت کا شجاعت کا محبت کا
خزانہ ہے مرے سرکار کے گھر ساری دولت کا
جناب حضرت آدم سے اس دم تک ذرا سوچو
نہیں ہے کون منت کش میرے آقا کی رحمت کا
برہنہ پا ہوں مت روکو مجھے خار مغیلاں سے
نشاں بن جائے گا یہ سرخ رستہ شہر الفت کا
زمانے بھر کے تخت و تاج اک ٹھوکر میں دے ماروں
اگر سایہ ہی مل جائے مجھے نعلین حضرت کا
حسن کا یہ غلام بے نوا اشرف غزل خواں ہے

اسے بھی نعت سے حصہ ملے کچھ اعلیٰ حضرت کا

یہ جو دہر میں ہیں حرارتیں یہ ترا ظہور کمال ہے
یہ جو کہکشاں میں ہے روشنی یہ ترا غبارِ جمال ہے

نبض عالم میں رواں تیری حرارت ہی تو ہے
کہکشاں بھی تیرے قدموں کی اشارت ہی تو ہے
ان کے دیدار کو دوڑے تو کچل گئی کوئی شے
مڑ کے دیکھا تو کہا اونھ ارے جنت ہی تو ہے

تنقید و ادب، سوانحی خاکے اور دیگر موضوعات پر درجنوں مضامین و مقالات تحریر فرمائے ہیں، ناول نگاری میں بھی آپ کا ادبی قد بہت بلند ہے۔ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے سالانہ مجلہ "اہل سنت کی آواز" کے مدیر اعلیٰ بھی تھے اور اب مشیر اعلیٰ ہیں، فکشن نگاری آپ کی نثر نگاری کا امتیازی پہلو ہے، خواجہ احمد عباس، قرۃ العین حیدر اور عصمت چغتائی جیسے ادیبوں نے آپ کی کہانیوں کی تحسین و پذیرائی کی ہے۔ برصغیر ایشیا و یورپ کے ادبی حلقوں میں آپ کی کہانیاں بے پناہ مقبول ہوئیں۔ ایشیا اور یورپ میں دو تین دہائیوں سے کہانیوں کا کوئی ایسا مجموعہ شائع نہیں ہوا جس میں ہندوستانی قلم کاروں کی فہرست میں آپ کا نام شامل نہ ہو۔ حضرت شرف ملت اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"بفضلہٖ تعالیٰ تحدیث نعمت کے طور پر لکھ رہا ہوں کہ برصغیر ہندوپاک سے لے کر امریکہ تک اردو کا کوئی ایسا کہانیوں کا مجموعہ پچھلے بیس پچیس برسوں میں شائع نہیں ہوا جس میں خاکسار کی کہانی شامل نہ ہو"۔

(اہل سنت کی آواز، ۱۹۹۹ء، ص: ۲۷۹)

پروفیسر سید محمد امین اشرف علی گڑھ آپ کے فکر و قلم کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سید محمد اشرف خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے چشم و چراغ ہیں۔ جدید اردو ادب میں ان کی حیثیت صف اول کے افسانہ نگاروں میں ہے۔ راقم الحروف کے علم میں بھی یہ بات نہ تھی کہ وہ شاعری بھی کرتے ہیں۔ علی گڑھ کے بعض مشاعروں میں سید صاحب کا کلام میں نے ضرور سنا مگر یہ خیال دامن گیر رہتا کہ یہ محض تبدیلیِ ذائقہ کے لیے ہے۔ اب جب کہ ان کا نعتیہ کلام منصۂ شہود پر آ رہا ہے تو اس سے یہ امر صاف مترشح ہے کہ وہ ایک باقاعدہ باضابطہ خوش گو شاعر بھی ہیں اور شاعری بھی کیسی، نعتیہ شاعری اور فرطِ عقیدت و حبِ رسول میں ڈوبی ہوئی شاعری جو کلامِ اشرف ہے اور اشرف الکلام بھی۔ سرِ دست سید صاحب علی گڑھ میں انکم ٹیکس کمشنر ہیں، جہاں قدم قدم پر حساب کتاب سے وابستہ رہنا پڑتا ہے۔ اس حوالے سے موجودہ دور میں میرے ذہن میں صرف دو نام آتے ہیں۔ پوسٹ ماسٹر جنرل کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے میں شمس الرحمٰن فاروقی نے دوران ملازمت جس فن، کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے، اس کی مثال شاید و باید اور اسی کے ساتھ ساتھ اردو ادب کے ذخیرہ میں اُن کا کنٹری بیوشن (Contribution) فقید المثال ہے۔ دوسرا نام سید محمد اشرف کا ہے۔ انکم ٹیکس کے مسائل سے دن رات الجھنا، افسانے اور ناول لکھنا اور اس کے ساتھ شاعری کرنا، تفننِ طبع کے لیے نہیں بلکہ ذہنی بے چینی کو Relax کرنے کے لیے یہ بھی ایک مہتم بالشان کارنامہ ہے اور سید صاحب پر حسرت کا یہ مصرع صادق آتا ہے۔

ہے مشقِ سخن جاری، چکی کی مشقت بھی
اک طُرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی

(صلوعلیہ وآلہ، ص: ۱۴-۱۵)

ہماری معلومات کے مطابق اب تک آپ کی حسب ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں:

(۱) ڈار سے بچھڑے	کہانیوں کا مجموعہ
(۲) نمبردار کا نیلا	ایک معاشرتی ناول
(۳) میرا من قصہ سنو	ایک مقبول ترین ناول
(۴) بادصبا کا انتظار	کہانیوں کا مجموعہ
(۵) یادِ حسن	تذکرہ احسن العلما
(۶) صلوعلیہ وآلہ	نعتوں کا مجموعہ

"یادِ حسن" "حضرت سید محمد اشرف برکاتی کا وہ تفصیلی مضمون ہے جو آپ نے ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے "سیدین نمبر" لیے تحریر فرمایا تھا۔
حضرت شرف ملت اپنے ذاتی اور موروثی کمالات کے ساتھ

اپنے خانقاہی حلقۂ ارادت سے بھی بے پناہ لگاؤ رکھتے ہیں، مدارس اسلامیہ کو ترقیوں کی ڈگر پر دیکھنے کے خواہاں رہتے ہیں۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے حد درجہ لگاؤ رکھتے ہیں اور اسی کی نسبت سے راقم پر بھی بے پناہ کرم فرماتے ہیں۔ آپ جامعہ اشرفیہ کے تعمیری اور تعلیمی منصوبوں پر بھی مخلصانہ نظر رکھتے ہیں۔ اہل اشرفیہ اپنے مشکل مسائل میں آپ سے رجوع کرتے ہیں۔ آپ حق گو اور اخلاص پیشہ ہیں، جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور جو کرتے ہیں وہی کہتے ہیں اسی روش پر دوسروں کو بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔

۷/ نومبر ۱۹۹۸ء کو آپ پہلی بار عالی جناب الحاج رفیق احمد برکاتی پردیسی کو لے کر جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے تھے، جب آپ اشرفیہ میں داخل ہوئے تو اساتذہ اور طلبا نے تکبیر و رسالت کے فلک شگاف نعروں سے استقبال کیا، اہل محبت کے اسی ہجوم شوق میں آپ نے مزار حافظ ملت پر حاضری دی اور فاتحہ سے فارغ ہو کر مزار شریف کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر جو نعرے لگائے تھے جامعہ اشرفیہ کے در و دیوار میں آج تک اس کی بازگشت محسوس کی جاتی ہے، نعرے تھے، "حافظ ملت زندہ آباد"، "الجامعۃ الاشرفیہ پائندہ آباد"۔ عزیز المساجد میں شیخ الجامعہ نے اپنے معزز مہمانوں کے لیے جلسہ استقبالیہ کا اہتمام کیا تھا، آپ نے اپنے استقبالیہ اجلاس میں جامعہ اشرفیہ اور عصر جدید کے تقاضوں کے حوالے سے بڑی فکر انگیز تقریر فرمائی تھی۔ آخر میں آپ نے طلبہ سے اعلان عام فرمایا تھا "اگر آپ لوگوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے کوئی ضرورت ہو تو بولو، اشرف طلباے اشرفیہ کی ہر خواہش کو پوری کرنے کا وعدہ کرتا ہے"۔ آپ نے جامعہ کے تمام صیغوں پر گہری نظر ڈالی اور جہاں جو کوتاہی دیکھی برملا اظہار فرمایا، اشرفیہ کے تئیں ان کی بے لوث محبت اور اشرفیہ نوازی کے مناظر ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ خداے تعالیٰ اشرفیہ پر ان کی نوازش خسروانہ کی عمر دراز فرمائے۔ آمین۔

ایک دوسرے موقع پر آپ نے جامعہ اشرفیہ کی امام احمد رضا لائبریری" کا افتتاح فرمایا تھا، وہ منظر بھی بڑا تاریخی اور یادگار تھا۔ آپ کے اسم گرامی کی وہ اہم تختی آج تک لگی ہوئی ہے۔

آپ شہزادۂ حافظ ملت حضرت عزیز ملت سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ سے بھی حد درجہ محبت فرماتے ہیں۔ ایک بار راقم سطور برادرم عبد العلی عزیزی ممبئی کے ساتھ آپ کی قیام گاہ پر بمبئی میں حاضر ہوا تو آپ کے دروازے پر کمپوز شدہ ایک پیپر چسپاں تھا جس میں تحریر تھا "خوش آمدید عزیز ملت" ہم نے دیکھا تو دیکھتے ہیں رہ گئے۔ عزیزی صاحب نے بتایا کہ ایک روز قبل حضرت عزیز ملت ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے، حضرت نے اپنی قیام گاہ پر ہمارے ساتھ جس بزرگانہ محبت کا برتاؤ کیا اس کی تعبیر کے لیے ہمارے پاس الفاظ نہیں۔ دوران گفتگو حضرت شرف ملت نے ارشاد فرمایا:

> مولانا ہم کسی کا استقبال اس انداز سے نہیں کرتے جیسا کہ ہم نے عزیز ملت کا کیا وہ ہمارے پیر بھائی ہیں ان کا اور ہمارا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں طالب علمی کا زمانہ ایک تھا اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ بڑے اخلاص ولگن سے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی خدمت کر رہے ہیں۔

عزیز ملت تو جامعہ کے سربراہ اعلیٰ ہیں ہم جیسے طالب علموں پر بھی نوازشات خسروانہ فرماتے رہتے ہیں۔ ایک بار راقم برادرم نبیرہ حافظ ملت مولانا نعیم الدین عزیزی کے ساتھ حاضر ہوا تو مولانا نعیم الدین عزیزی سے ان کی بزرگانہ محبتوں کا انداز دیکھ کر دل نے بڑا گہرا اثر قبول کیا۔

حضرت شارح بخاری کی تحریک پر جب ہم نے "سیدین نمبر" کی تیاریاں شروع کیں تو خانقاہ برکاتیہ کی جانب سے حضرت شرف ملت نے قدم قدم پر ہمیں سہارا دیا، مفید مشوروں سے نوازتے رہے، ہم نے خاص اسی مقصد کے لیے متعدد بار حضرت سے ملاقات کے لیے سفر کیا اور آپ نے بھرپور رہنمائی فرمائی، اس نمبر کے لیے جو آپ نے مضمون تحریر فرمایا ہے وہ اپنے باب میں منفرد المثال ہے بلکہ اس نمبر کی جان ہے۔ اس دوران خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اب ہم ذیل میں آپ کے دو خطوط من وعن نقل کرتے ہیں ان کے مطالعہ سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ حضرت اس نمبر کے کامیاب بنانے کے سلسلہ میں کتنے فکر مند تھے، اور ہماری فروگذاشتوں پر کتنے مشفقانہ انداز سے تنبیہات فرماتے رہے ہیں۔

حضرت شرفِ ملت کا مکتوب گرامی

۸۶/۹۲/ ۷

۲/ محرم الحرام، مطابق ۲۹/ اپریل ۱۹۹۷ء

محترم مولانا مبارک حسین مصباحی مد ظلہ العالی۔ السلام علیکم

میرا پچھلا خط آپ کو ملا ہو گا۔

حضور احسن العلما علیہ الرحمۃ والرضوان سے متعلق برادرم اکبر قادری کا مضمون ارسال کر رہا ہوں۔ کچھ منقبتیں بھی ہیں۔ حضور سید العلما علیہ الرحمۃ والرضوان سے متعلق مضمون بھی اسی کے ساتھ ہے۔

غالبًا یہ مضمون آپ کو پہلے بھی مل چکا ہوگا۔

حضور احسن العلما سے متعلق بہت سی منقبتیں ”اہل سنت کی آواز“ خانقاہ برکاتیہ کے پچھلے تین شماروں میں چھپ چکی ہیں۔ ان سب کو شامل کر لیجیے کیوں کہ سیدین نمبر کو تو دستاویزی شکل اختیار کرنی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت علامہ اختر میاں ازہری کی نئی منقبت فی شان احسن العلما بھی منسلک ہے۔

ان سب کے علاوہ بفضلہٖ تعالیٰ میں بھی اپنا مضمون شروع کر چکا ہوں، یہاں بہت عدیم الفرصت ہو جاتا ہوں۔ مارچ کے آخر میں طبیعت بھی اچانک علیل ہو گئی تھی اور I.E.V میں داخل ہونا پڑا تھا، میرے حق میں آپ حضرات دعا فرمائیں۔

میرا مضمون کئی شقوں کا احاطہ کرے گا اس لیے طویل ہوگا۔ اگر مجھے آپ یہ یقین دہانی کرادیں کہ میرا ناصاف مضمون وہاں کوئی طالب علم صاف خوش خط لکھ دے گا تو میں مضمون بہت جلد ارسال کر دوں گا۔

ایک گزارش یہ بھی ہے کہ مجھے مطلع فرمائیے کہ اب تک حضور سید العلما علیہ الرحمۃ والرضوان اور حضور احسن العلما علیہ الرحمۃ والرضوان کے بارے میں کتنے مضامین اور منقبتیں آچکی ہیں، طباعت میں مضامین اور منقبتوں کی کیا ترتیب رہے گی۔ کیا درگاہ معلی اور خانقاہ کے فوٹو گراف شامل ہیں؟ کسی خاص پہلو کا اگر مضامین میں احاطہ نہ ہوسکا ہو تو مطلع کیجیے تاکہ اپنے مضمون میں تلافی کر سکوں یا کسی سے عرض کر سکوں۔

مقصد یہ ہے کہ جب اشرفیہ کا نمبر نکل رہا ہے تو اسی معیار کا ہونا چاہیے۔ لشتم پشتم کام میں لطف نہیں آتا۔ حضرت امین ملت کو خط لکھیے کہ وہ بھی مضمون لکھ دیں۔ بصورت دیگر ان کا ”اہل سنت کی آواز“ والا مضمون شامل کر لیجیے۔ میری بھی کل ملا کر پانچ چھ منقبتیں ہیں انھیں شامل رکھیے۔ کتابت کے بعد پروف ریڈنگ کا مرحلہ سخت ہوتا ہے جو بھی پروف ریڈنگ کرے لگن کے ساتھ کرے۔ میں پورے سیدین نمبر کی پروف ریڈنگ کا ذمہ لیتا ہوں آپ کتابت شدہ میٹر بذریعہ رجسٹرڈ پارسل مجھے ارسال فرمادیں۔ میں بھی خوشی خوشی یہ کام کروں گا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ اگر آپ وہاں کی پروف ریڈنگ سے مطمئن نہ ہوں۔ خود اشرفیہ کے احباب میں کس کس نے مضامین لکھے، مجھے خوشی ہوگی اگر آپ مطلع فرمائیں۔ یہ تمام میٹر جو ارسال کر رہا ہوں میرے پاس عرصے سے رکھا ہے لیکن آپ کا خط آنے سے پہلے تک مجھے علم ہی نہیں ہو پایا تھا کہ کام کی رفتار کیا ہے۔ بہر حال!

میرے لائق کوئی خدمت ہو تو یاد فرمالیں۔

زیادہ ادب/طالب دعا آپ کا

سید محمد اشرف قادری برکاتی عفی عنہ

حضرت شرف ملت دامت برکاتہم العالیہ نے اس سے قبل بھی ایک مکتوب ارسال کرنے کا ذکر فرمایا ہے، مگر افسوس وہ مکتوب گرامی ہمیں موصول نہیں ہو سکا تھا۔ پیش کردہ اس مکتوب گرامی کے بعد ہم نے سیدین نمبر کی تفصیلات نوٹ کر کے ارسال کیں، حضرت شرف ملت برکاتی مدظلہ العالی نے اسے ملاحظہ فرمایا، اس تفصیلی فہرست میں جو خامیاں تھیں حضرت نے ان پر تنبیہ فرمائی اور ایک دوسرا مکتوب ارسال فرمایا جو حسب ذیل ہے:

حضرت شرف ملت کا دوسرا مکتوب

۹۲/۸۶ء

عزیز گرامی قدر مولانا مبارک حسین مصباحی السلام علیکم

آپ کا رجسٹرڈ خط مورخہ ۶/ جنوری پرسوں موصول ہوا۔ شکریہ آپ نے جو لسٹ ارسال کی ہے، اسے دیکھا تو آپ کو یاد ہوگا کہ اس سے قبل بھی منقبتوں کی فوٹو کاپیاں روانہ کی تھیں، ان میں سے بہت سی منقبتوں کی تفصیل اس لسٹ میں نہیں ہے، خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ منقبتیں کیوں کام میں نہیں آسکیں۔

کسی بھی فرد کی سوانح میں اس سے متعلق مناقب شاعرانہ کی بہت اہمیت ہوتی ہے جو آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔ حضور والد محترم علیہ رحمۃ والرضوان سے متعلق جو جو منقبتیں مل سکیں ان کی کاپی ارسال کر رہا ہوں۔ ایک ڈھیلی ڈھالی سی ترتیب بھی دے دی ہے، اگر ان کی کتابت نہیں ہو سکی ہے تو آپ نے جو لسٹ بھیجی ہے اس میں کم از کم دو شعر ایسے ہیں جو میرے نام سے منسوب ہیں۔ وہ میرے نہیں ہیں۔ مولانا قاسم کے شعر میں دو لفظ چھوٹ گئے ہیں ان تمام باتوں کو دور کر لیجیے گا میں جو منقبتیں ارسال کر رہا ہوں ان میں چند وہ بھی ہیں جو آپ کی لسٹ میں ہیں۔ یہ اس لیے لکھ رہا ہوں کہ کہیں دوہری کتابت نہ ہو جائے۔

اس خط کی رسید اور اپنے تاثرات سے آگاہ فرمائیں۔

میرے لائق کوئی اور کام ہو تو فرمائیں۔ محترم سربراہِ اعلیٰ اور سب احباب کو سلام آپ کا

سید محمد اشرف قادری برکاتی

حضرت شرفِ ملت دامت برکاتہم العالیہ پہلے ممبئی میں تھے،

ہم نے ان سے وہاں بھی ان کی قیام گاہ پر ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا اس کے بعد آپ علی گڑھ میں بحیثیت انکم ٹیکس کمشنر تشریف لائے، ہم نے یہاں بھی ان سے ان کے آفس میں شرفِ نیاز حاصل کیا تھا۔ علی گڑھ کے بعد آپ دہلی میں انکم ٹیکس کمشنر رہے، اس دوران بھی حضرت سے متعدّد بار حصولِ فیض کا موقع ملا، دہلی کے بعد آپ کولکاتا، بنگال میں بحیثیت چیف انکم ٹیکس کمشنر تشریف لے گئے، وہاں آپ اپنی منصبی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں، اسی کے ساتھ آپ کی شعری اور ادبی سرگرمیاں بھی جاری ہیں۔

شہرِ خموشاں کے چراغ پر ایک ادبی تاثر

جن دنوں آپ دہلی میں مقیم تھے اسی دوران ہماری مرتبہ ۴۸۰ صفحات پر مشتمل کتاب "شہرِ خموشاں کے چراغ" تیار ہوئی۔ ہماری گذارش پر حضرت شرفِ ملت دامت برکاتہم العالیہ نے ٹائٹل کے بیک پر حسب ذیل گراں قدر تحریر عنایت فرمائی جو حسب ذیل ہے۔

"مبارک حسین مصباحی ہمارے ان قلم کاروں میں ایک امتیازی شان رکھتے ہیں جنھوں نے قلم کی حرمت کو ہمیشہ اولیت دی ہے۔ ان کی کتابیں اور موقر جرائد میں ان کے مضامین دل چسپی اور سنجیدگی سے پڑھے جاتے ہیں۔ سیمیناروں میں ان کے مقالے توجہ اور رغبت سے سنے جاتے ہیں۔ ان کی کتابوں، مضامین اور مقالات کا بنیادی موضوع ہمیشہ وہ ہوتا ہے جس سے مصنف کا گہرا شعوری تعلق ہوتا ہے۔ معتبر جریدے ماہ نامہ "اشرفیہ" میں ان کے اداریے اپنے موضوع کی اہمیت اور تفہیمی انداز کے باوصف بہت مقبول ہیں۔

زیرِ نظر کتاب ان معنٰی میں ذرا مختلف نوعیت کی ہے کہ اس میں معاملات و مسائل کا نہیں، ان افراد ذی وقار کا ذکر خیر ہے جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ لیکن اپنے کام اور شخصیت کی بدولت کسی نہ کسی شکل میں آج بھی ہمارے درمیان موجود ہیں۔ اس مناسبت سے کتاب کا نام "شہرِ خموشاں کا چراغ" نہایت موزوں اور دلکش ہے۔

پچاس سے زیادہ افراد کے اذکار کی دولت سے مالا مال یہ کتاب بے حد متنوع شخصیات کا ایک خوب صورت نگار خانہ بن گئی ہے۔ اس میں سلاطینِ طریقت و معرفت، رازدارانِ شریعت، مردانِ قلم، مسند نشینانِ درس و تدریس سے لے کر تاریخ دانوں، ادارہ سازوں، فکر و فن کے ماہرین اور ادبا و شعرا کے ساتھ ساتھ ان کا بھی ذکر ہے جنھوں نے اپنی دردمندی اور خلوص پیہم سے اپنے معاصرین کو گرویدہ کر رکھا تھا۔ کتاب کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ یہ صرف افراد کا ذکر نہیں ہے، بلکہ بیسویں صدی کی طویل شب سیاہ میں چمکتے ان ستاروں کا آئینہ ہے، جس میں ہم بازاری معیشت، خود غرضی، عیاری اور شدید نفسانفسی کے دور سے ٹھیک پہلے کے اس زمانے کا مشاہدہ کر سکتے ہیں جس میں انسانیت اور انسانیت نوازی، شرافت اور دردمندی، سخاوت اور فیض رسانی، شرفِ محنت اور جہدِ مسلسل، شفقت اور اصاغر نوازی، محبت علم اور علمانوازی جیسے اوصافِ حمیدہ آج کی طرح مفقود نہیں تھے۔

اس کتاب نے مبارک حسین مصباحی کی تصنیفی حوصلہ مندی کی دستار میں ایک اور زریں طرے کا اضافہ کیا ہے۔ امید قوی ہے کہ شہر خموشاں کے چراغوں کی روشنی قاری کے راستے کو دیر تک اور دور تک روشن رکھے گی۔" (سید محمد اشرف مارہروی، ۲؍ مئی ۲۰۰۹ء)

حضرت شرف ملت بے پناہ خوبیوں کے حامل ہیں اللہ تعالیٰ ان کا اقبال بلند فرمائے اور ان کی عمر میں برکتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

(۵) سیدہ قادریہ مرحومہ: اپنی ہم شیرہ کے متعلق حضرت شرف ملت فرماتے ہیں:

عین شب خرقہ پوشی میں پیدا ہوئی۔ بڑی ذہین خوب سیرت اور خوب صورت بچی تھی۔ بعارضہ چیچک ساڑھے چار برس کی عمر میں قصبہ کاس گنج میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملی۔ اس کی قبر درگاہ برکاتیہ کی شمال سمت کے بائیں چبوترے پر واقع ہے ٹھیک اسی جگہ وہ ہم سب کی نظروں سے بچ کر درگاہِ معلی میں جا کر کھیلتی رہتی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی کے صدقے میں اسے جنت کے پھولوں میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ الحبیب الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ .... (جاری)

امام احمد رضا کے ممدوح
شاہ امین احمد فردوسی
اور تحریکِ مصلحین ندوہ

مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی

جس طرح یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اسلام دنیا میں شمشیر و سناں کے زور پر نہیں، اخلاق و کردار کی طاقت سے پھیلا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ایک ناقابل انکار صداقت ہے کہ ہندوستان میں اس کی صحیح معرفت و اشاعت امراء و سلاطین کے درباروں سے نہیں، خانقاہوں اور مدرسوں سے ہوئی ہے۔ اسی لیے علامہ جامی علیہ الرحمہ نے کہا ہے۔

خوشا مسجد و مدرسہ خانقاہے ☆ کہ درو ے بود قیل و قالِ محمد

پھر اہل خانقاہ اور ارباب مدارس نے اسلام کی صرف ترویج و اشاعت کا فریضہ باحسنِ وجوہ انجام دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کی قرار واقعی صیانت و حفاظت کے لیے مسلمانوں میں تصلّب فی الدین کا حقیقی مزاج اور شعور بھی پیدا کیا۔ اور جب کبھی کسی راہ سے اس میں خلل آنے کا خطرہ لاحق ہوا تو مخلصانہ علمی تجزیہ کے ساتھ اس سے قوم کو آگاہ کیا اور اس کے سدِّ باب کی ہر ممکن صورت بھی اختیار کی۔

آٹھویں صدی ہجری میں ہندوستان کے اندر صوفیا کے لبادے میں متصوّفین، اسلام کا چہرہ مسخ کرنے لگ گئے تھے اور علما کے لباس میں اہلِ ظاہر، دین سے اس کی روح نکال دینے کے درپے تھے، تو اس وقت کے عالم بے بدل اور صوفیِ زماں حضرت مخدومِ جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری علیہ الرحمہ نے نہ تو خانقاہ و مدرسہ کے کنج خمولی میں پناہ لی اور نہ متصوّفین اور اہلِ ظاہر سے صلح کی۔ بلکہ اپنا دربارِ فیض بار سب کی صلاح و فلاح کے لیے کھلا رکھنے کے ساتھ ساتھ علم کی تلوار اور عمل کی سپر لے کر میدان جہاد میں بھی کود پڑے۔ اہلِ ظاہر کی کم علمی کو واضح اور متصوّفین کی بد عملی کو اجاگر کرکے دونوں کو جادۂ حق سے ہٹا ہوا بتایا اور اپنے علم و عمل کے ذریعہ قوم کو سیدھی راہ دکھائی اور صحیح منزل کی نشاندہی کی، جیسا کہ آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ اور ملفوظات و مکتوبات کا ورق ورق اس پر شاہد عدل ہے۔ پھر آپ کے بعد آپ کے جانشینوں اور خلفا و متوسلین نے بھی یہ دولت و امانت حرز جاں بنا کر سینے سے لگائے رکھّی اور عہد بہ عہد اپنے جانشینوں اور خلفا میں منتقل کی۔

چودھویں صدی ہجری میں آپ کے جانشین جناب حضور امین احمد فردوسی علیہ الرحمہ کے بھی آئینۂ زندگی کو دیکھیے تو اس میں حیات مخدوم ہی کا پورا عکس نظر آئے گا۔ یہاں اس مختصر مقالہ میں ہم اسے ہر زاویہ سے تو نہیں دکھا سکتے البتّہ "انجمن اہلِ سنّت مصلحین ندوہ" کا قیام، رسالہ "تحفۂ حنفیہ" کا اجرا اور "مدرسہ حنفیہ" کی بنیاد کے اسباب و علل اور ان سب کے لیے آپ کی مسلسل تائید و حمایت اور مساعی جمیلہ کا اختصار کے ساتھ جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

انجمن ندوۃ العلما کا قیام: ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں مدرسہ فیض عام کانپور کے جلسۂ دستار بندی کے موقع پر، جس میں حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی سابق مدرس مدرسہ فیض عام - حضرت مولانا محمد حسین الہ آبادی- حضرت مولانا احمد حسن صدر مدرس مدرسہ فیض عام- حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی اور مولانا محمد علی کانپوری ثمّ مونگیری وغیرہ مشاہیر علما و مشائخ تشریف فرما تھے، پورے ملک کے علمائے کرام پر مشتمل ایک متّفقہ انجمن کا قیام بنام "ندوۃ العلما" زیر تجویز آیا؛ اور طے ہوا کہ آئندہ سال اسی مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر تمام مشاہیر علما کو مدعو کرکے اجلاس عام میں اس کی توثیق کرائی جائے۔ بطور کنوینر (ناظم) مولانا محمد علی کا انتخاب عمل میں آیا اور مولانا مشتاق علی مبلغ مقرر ہوئے۔[۱]

مولانا مشتاق علی کو انجمن کی طرف سے مسلمانوں کے نام ایک تحریری پیغام لے کر ملک کے بڑے شہروں کے دورہ پر بھیجا گیا۔ اور وہ بحیثیت مبلغ علما و مشائخ اور دوسرے اہل علم و متمول حضرات کو "ندوہ" کے فوائد بتا کر اس کی تائید کے لیے آمادہ کرنے لگے[۲] نیز اشتہارات اور پوسٹرس کے ذریعے بھی نہایت خوش کن مقاصد اور تاریخ کا اعلان

---

(۱)-تاریخ ندوۃ العلما حصہ اول صفحہ ۹۶، ۹۷، ۱۰۰، از:مولوی اسحاق جلیس ندوی.

(۲)-تاریخ ندوۃ العلما حصہ اول صفحہ ۱۰۱، از:مولوی اسحاق جلیس ندوی.

ہوتا رہا۔[۳]

تاریخ مقررہ یعنی ۱۵؍شوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۴ء کی صبح مدرسہ فیض عام کے فارغ التحصیل ۱۴؍ علما کی دستار بندی ہوئی اور شام سے انجمن "ندوۃ العلما" کا اجلاس شروع ہوا۔ اجلاس میں علمائے اہل سنّت کے علاوہ غیر مقلدوں کے علما اور شیعوں کے مجتہدین بھی موجود تھے اور ان کی بھی تقریریں ہوتی تھیں۔ جیسا کہ محمد جلیس ندوی نے بھی اپنی کتاب "تاریخ ندوۃ العلما" حصّہ اول صحہ ۱۰۴ میں نقل کیا ہے:

"شوال ۱۳۱۱ھ میں ندوۃ العلما کا پہلا اجلاس ہوا یہ اجلاس اپنی شان میں خود اپنی نظیر تھا۔ ایک شان یہ تھی کہ ہر فرقہ کے صنادید علما شریک جلسہ تھے۔ علمائے حنفی کے علاوہ اہل حدیث میں سے مولانا ابراہیم آروی- مولانا محمد حسین بٹالوی- شیعہ مجتہدین میں مولوی غلام الحسنین کنتوری شریک جلسہ تھے۔"

اپنی تقریر میں شیعہ مجتہد مولوی غلام الحسنین نے بار بار اس بات کا اعادہ کیا کہ:

"حضرت مولائے کائنات علی مرتضی کرّم اللہ وجہہ الکریم رسول اللہ ﷺ کے داماد، وصی اور خلیفہ بلا فصل ہیں۔"

تقریر کے اختتام پر ایک صاحب نے کھڑے ہو کر مولوی غلام الحسنین کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ:

"میں مولوی غلام حسنین صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ ہمارے جلسے میں تشریف لے آئے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ہماری اتحادی مجلس میں مستند علمائے شیعی شریک ہوئے"۔

غیر مقلد عالم مولانا ابراہیم آروی نے اپنی تقریر میں کہا کہ:

"عقائد و اعمال میں ہر شخص اپنی سمجھ پر مکلّف ہے جو اللہ و رسول کو بلا اکراہ مانتا ہے اور اپنی سمجھ میں اللہ و رسول کی اطاعت اپنے اوپر فرض جانتا ہے اور مذہبی کام جو کچھ بھی وہ کرتا ہے اس میں اپنی سمجھ کے مطابق اللہ و رسول کی اطاعت و خوشنودی کا خیال کرتا ہے یقیناً مسلمان ہے، کسے باشد۔ اسلام ایک سچّا مذہب ہے اور اس کے اصول سب فرقوں میں یکساں مرتبہ رکھتے ہیں۔

ایک دوسرے صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ:

اس وقت لازم ہے کہ جملہ کلمہ گو اہل قبلہ اپنے اپنے دعووں کو (جو ایک دوسرے کے معتقدات کے خلاف ہیں) واپس لیں اور آپس کے مباحثہ کو ترک کر کے اتّفاق پیدا کرنے کی کوشش کریں۔"

ایک اور صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ:

"پہلی برکت اس جلسہ کی یہ ہے کہ اس نے شیعہ اور سنّی، مقلدین اور اہل حدیث، مختلف اذواق کے لوگوں کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ امید ہے کہ جیسے قوائے مختلفہ کے اکٹھا ہونے سے ایک کیفیت متشابہ پیدا ہو جاتی ہے جس کو مزاج کہتے ہیں۔ ان مختلف طبائع کے اجتماع سے ایک دوسری حالت پیدا ہو جو قریب قریب اعتدالِ حقیقی کے ہو جائے۔"[۴]

اس اجلاس میں شرکت کے لیے بدایوں سے تاج الفحول حضرت مولانا عبد القادر اور بریلی سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہا الرحمہ بھی پہنچے تھے[۵] اجلاس کا یہ رنگ اور تقریروں کا انداز دیکھ کر تاج الفحول اور اعلی حضرت کچھ علما کے ساتھ صدر اجلاس حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی کی خدمت میں پہونچے اور کہا کہ اس خالص اہل سنّت کے اجلاس میں شیعہ اور غیر مقلد علما کو کیوں مدعو کیا گیا؟ اور ان کو اس طرح تقریریں کرنے کی اجازت کیوں دی گئی جن سے اہل سنت کے عقائد کی تردید ہوتی ہے؟؟ اور نہ صرف یہ کہ اس طرح کی تقریریں کرنے کی اجازت دی گئی بلکہ ان کا شکریہ ادا کر کے گویا ان تقریروں کی تائید بھی کر دی گئی جو عقائد اہل سنّت کے خلاف ہیں۔ حضرت مولانا لطف اللہ صاحب نے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہوئے اس کا ذمّہ دار انجمن کے کنوینر مولانا محمد علی کو قرار دیا اور فرمایا کہ آپ حضرات ان سے بات کر لیں۔ یہ لوگ مولانا محمد علی کے پاس پہنچے اور ان سے شکایت کی تو انہوں نے یہ عذر کیا کہ میرے اخلاص اور سادگی کی وجہ سے ایسا ہو گیا، جس کے لیے افسوس ہے۔ انشاء اللہ آئندہ اس کا خیال رکھا جائے گا۔ مگر یہ حضرات انجمن کے کنوینر مولانا محمد علی کے اس اعتذار سے مطمئن نہیں ہوئے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ جس طرح ان مقررین نے تقریروں میں اپنے اپنے اعتقادات کا اظہار کیا ہے، ہمیں بھی انہیں موضوعات پر اہل سنّت کے موقف کے اظہار کی اجازت دی جائے۔ مگر مولانا محمد علی اس کے لیے راضی نہیں ہوئے۔ جس کی وجہ سے ان حضرات نے اجلاس کا خاموش بائیکاٹ کیا اور شریک نہیں رہے[۶] اسی کی تعبیر روداد کے صفحہ ۶۴؍ میں ان لفظوں سے کی گئی:

(۳)-ایضا صفحہ ۱۰۳.

(۴)-روداد ندوة العلما سال اول صفحه ٤٣.

(۵)-تاريخ ندوة العلما صفحه١٠٤ بحوالۀ استاذالعلما،ص:٤٣

(٦)- حيات اعلى حضرت از:ملك العلما مولانا ظفر الدين بهارى ج٢ صفحه٦٧٣ مطبوعه پوربندر .

"حاضرین جلسہ کو فی الجملہ تکدر ہوا اور بعض اشخاص نے کچھ بولنا بھی چاہا مگر چونکہ یہ بات قرار پاچکی تھی کہ مجلس میں کسی قسم کی ردو قدح نہ ہو اسی لیے خاموشی اختیار کی گئی۔"

خیر کانفرس ہونی تھی، ہوگئی۔ مگر جب اس کی روداد شائع ہوئی تو کنوینر مولانا محمد علی کے اعتذار کے باوجود اس میں غیر مقلد علما اور شیعہ مجتہدین کی ان تقریروں کے خلاصے موجود تھے، جن میں اہل سنّت کے معتقدات کے خلاف باتیں کہی گئی تھیں اور اس پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔ اس لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی اور بعض دوسرے علمائے اہلِ سنّت نے ذمّہ داران "ندوۃ العلما" کے نام استفسارانہ مراسلے لکھے کہ آپ حضرات نے کانفرنس کے موقع پر وعدہ کرنے کے باوجود اس کے خلاف کیوں کیا؟ کیا مشاہیر علمائے اہل سنّت کی موجودگی میں بر سر اجلاس معتقداتِ اہل سنّت کے خلاف تقریریں کرانے، ان مقررین کا شکریہ ادا کرنے اور پھر ان سب باتوں کو روداد میں درج کر کے چھاپ دینے سے عوام اہلِ سنّت کے معتقدات متزلزل نہیں ہوں گے؟ اگر متزلزل ہوں گے اور ضرور ہوں گے تو اس کے تدارک کے لیے آپ حضرات کیا کر رہے ہیں؟؟ کیا غلطی نامہ شائع ہو رہا ہے؟؟؟ مگر اہلِ "ندوہ" نے لیت ولعل سے کام لیا اور کوئی تسلّی بخش جواب نہیں دیا۔(۷)

انجمن "ندوۃ العلما" کا دوسرا اجلاس ۱۶/۱۷/۱۸/ شوال ۱۳۱۲/ھ مطابق ۱۲/ ۱۳/ ۱۴/ اپریل ۱۸۹۵ء کو لکھنؤ میں ہوا۔ اس میں علمائے اہل سنّت کے ساتھ غیر مقلد علما اور شیعہ مجتہدین ہی نہیں، بلکہ نیچری مذہب کے لوگوں کو بھی شریک کر لیا گیا، رکنیّت دی گئی اور ان سے تقریریں کرائی گئیں(۸) ان تقریروں میں بھی اہلِ سنّت کے خلاف باتیں موجود تھیں جیسا کہ اس کی مطبوعہ روداد سے ظاہر ہے۔ اس لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور بعض علمائے اہل سنّت نے پھر خطوط لکھے اور اصلاح چاہی۔ مگر اس کی بھی شنوائی نہیں ہوئی۔

"ندوۃ العلما" کا تیسرا اجلاس ۲۶/۲۷/۲۸/ شوال ۱۳۱۳/ھ کو بریلی میں منعقد ہونے کا اعلان شائع ہوا تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اس کے سابقہ جلسوں کی خلافِ شرع باتوں اور اس تیسرے اجلاس کے مدعوئین میں بھی مختلف مذاہب کے ذمّہ داروں کے نام دیکھ کر پھر اس کی اصلاح کرنی چاہی اور اپنے اعتراضات کے ساتھ ایک نمائندہ وفد ذمّہ داروں کے پاس بھیجا، ان سے گفتگو ہوئی۔ ذمّہ داروں نے وفد کے روبرو اصلاح کا زبانی وعدہ تو کیا، لیکن تحریر دینے کے لیے راضی نہیں ہوئے(۹) اور پھر اس اجلاس میں بھی لاَ وہی کچھ ہوا جو اب تک ہوتا آیا تھا۔(۱۰)

انجمن کی رودادیں اور کارروائیاں چھپ رہی تھیں اس لیے علمائے اہل سنّت کے مراسلات بھی چھپ رہے تھے، جن میں انجمن کی مذکورہ بالا خرابیوں اور نقائص کا تذکرہ ہوتا تھا۔ پھر انجمن کی طرف سے ملک کے مختلف حصوں میں وفود بھی جاتے تھے(۱۱) چنانچہ ایک وفد بہار بھی آیا تھا جس نے بہار شریف، پھلواری شریف، پٹنہ وغیرہ مختلف مقامات پر دین کی فلاح اور سنیت کی خدمت کا واسطہ دے کر یہاں کے مشائخ کرام کی صدارتوں میں نشستیں کیں تھیں۔ ان نشستوں میں یہ تاثّر دیا جاتا تھا کہ ملک کے سارے علمائے اہل سنّت انجمن کے حامی و شریک کار ہیں، صرف مولانا عبد القادر بدایونی، مولانا عبد الصمد سہسوانی اور مولانا احمد رضا بریلوی مخالفت کر رہے ہیں۔ جب کہ اردو و فارسی کے مشہور محقق قاضی عبد الودود کے والد ماجد، مخدوم جہاں کے جانشین جناب حضور شاہ امین احمد فردوسی زیب سجّادہ خانقاہ معظّم بہار شریف کے خاص الخاص چہیتے مرید، حضرت مولانا قاضی عبد الوحید فردوسی علمائے اہل سنّت کے مطبوعہ مراسلے اور انجمن کی رودادیں پڑھ کر اس کے مختلف العقائد مجموعۂ مرکّب موقف سے بیزار ہو چکے تھے؛ اور اس کو اسلام و سنّیت بالخصوص حنفیت کے لیے زہر ہلاہل سمجھ رہے تھے، انہوں نے اسلام و سنّیت بالخصوص حنفیّت کی حمایت و تائید اور مخالفینِ سنّیت و حنفیت خصوصاً انجمن "ندوۃ العلما" کی تردید میں ایک ماہانہ رسالہ جاری کرنے کا منصوبہ بنایا اور ۹/ ذی قعدہ ۱۳۱۳/ھ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے نام یہ مکتوب ارسال کیا:

ناصرِ ملّتِ مصطفویہ حامیِ مذہبِ حنفیہ جناب مولانا الاجل مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی مدظلہ العالی!۔۔۔تسلیم!!

محض غائبانہ اخوّتِ اسلامی وحمایتِ مذہبِ حنفیّہ کی جہت سے یہ خط لکھ رہا ہوں اور مولانا عبد القادر صاحب بدایونی کو بھی لکھ رہا ہوں۔ جلسۂ ندویہ سے سخت بیزار ہوں اور شاید حضور بھی اس کے مخالف ہیں۔ لہٰذا

(۷)-حیات اعلی حضرت ج۲ صفحہ۶۷۴

(۸)-الف:تاریخ ندوۃ العلما صفحہ۱۲۴/ ب:رودادندوۃ العلما سال دوم

(۹)-حیات اعلی حضرت ج صفحہ

(۱۰)-رودادندوۃ العلما سال سوم

(۱۱)-تاریخ ندوۃ العلما صفحہ۱۵۵۔

موافقت فی المخالفت وحمایت مذہبِ حنفیّہ کی جہت سے لکھتا ہوں۔ایک اخبار تردیدِ مذہب باطلہ و مخالفتِ ندویہ میں نکالنے والا ہوں۔آپ سرپرستی کریں۔مذہبِ حنفیّہ کو حق سمجھتا ہوں اور اس ندوہ کو باطل۔اگر آپ لوگ آمادہ ہوں تو ندوۂ حنفیّہ پٹنہ میں بفضلہ تعالیٰ قائم کروں۔

خادم-عبدالوحید صدیقی حنفی ۹/ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ (۱۲)

پٹنہ میں انجمن اہل سنّت مصلحینِ ندوہ کا قیام

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی نے قاضی صاحب کے اس خط کی بڑی پذیرائی کی اور موصوف کو اپنی طرف سے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔پٹنہ میں ''انجمن اہلِ سنّت مصلحینِ ندوہ'' قائم ہوئی اور اس کی طرف سے اہلِ ''ندوۃ العلما'' کے نام کئی مراسلے بھیجے گئے، جو بعد میں شائع بھی ہوئے۔مراسلوں میں انجمن کے اس مختلف العقائد مجموعۂ مرکّب موقف کے نقائص واضح کر کے نہایت ہی مخلصانہ اور معروضانہ انداز میں اصلاح کی گزارش کی گئی۔

معروضانہ گزارش(۱)

چند سوالات محض بہ نظرِ انکشافِ حق وانکشافِ باطل حاضر کیے جاتے ہیں، جن میں تعصّب، نفسانیّت، کسی مذموم نیّت کو بعونہ تعالیٰ اصلاََ دخل نہیں۔والحمدللہ رب العٰلمین۔کمینہ خادمِ مذہب سنت واہل سنت کو ندوہ کی جو کارروائیاں مخالف شریعت وخلاف مذہبِ اہل سنت و مضرِ دین و معینِ بدعت معلوم ہوئیں، صرف برادرانہ طور پر بہ تمنّائے انصاف اس امید پر گزارش کی کہ ندوہ محض للّٰہیت کے ساتھ بے آمیزشِ سخن پروری ہر سوال پر نظر غور فرمائے۔اگر خیر خواہ کی کوئی بات ایمانی نگاہ میں حق نظر آئے، بکشادہ پیشانی قبول فرما کر آیت کریمہ:

فَبَشِّر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ (۱۳) کا مژدہ پائے۔(۱۴)

گزارش(۲)

یہ برادرانہ خیر خواہانہ سوالات صرف اس بنا پر حاضر کئے جاتے ہیں کہ ندوہ اپنے آپ کو سنّی المذہب فرماتا ہے، وخدا ہم چنیں کند۔یہی خیال وجہِ ارسالِ سوال ہے کہ بھائیوں ہی سے شکوہ ہے اور انہیں کی لغزشوں کا صدمہ ہے۔بدمذہب سے کیا گلہ کہ تیری تحریریں، تقریریں، کارروائیاں مخالف و مضر مذہبِ اہل سنّت ہیں۔ندوہ اگر بحمدہ تعالیٰ خدّام سنّت واصحاب جماعت سے ہے، اہل سنّت کی احادیث وائمّہ کو مانتا، ان کے ارشاد کا پابند رہنا اپنا فرض مذہبی جانتا ہے، تو برادرانہ انصاف کی نظر سے سمجھ لے۔مضرات مذہب واعدائے مذہب سے خود اسے اجتناب ضرور ہوگا۔ اور اگر خدانہ کردہ صورت دوسری ہے، تو تمام سوالوں کے جواب میں اتنا بس ہے کہ ندوہ کو پاس مذہب اہل سنّت نہیں، نہ ان کے نفع ونقصان سے مطلب۔اس کے بعد ہمیں کوئی شکایت نہ ہوگی۔ملک میں کتنی کانفرنسیں ہوتی ہیں ان سے کیا ہم الجھتے ہیں؟ کہ اسی سے فضول بحث ضرور ہوگی۔کل حزب بمالدیھم فرحون۔(۱۵)

گزارش (۳)

پھر گزارش کرتا ہوں کہ للہ لحاظِ من وتو سے اغماض فرما کر محض خالصاََ لِوجہ اللہ سچی، دینی، شرعی نگاہ سے نظر فرمائیں، حق سمجھ لیں تو مژدۂ قبول سے مسرّت بخشیں۔ورنہ ہر بات کا پورا جواب واضح وآشکارا بے رورعایت، بے پھیر پھا عنایت فرمائیں۔(۱۶)

گزارش (۴)

پھر دست بستہ باادب گزارش ہے کہ آپ اہل علم ہو کر اظہار حق میں دریغ نہ فرمائیں۔اگر رائے انصاف پیرائے نے بملاحظۂ سوالات جان لیا ہے کہ ندوہ کی کارروائیوں، تحریروں نے مذہب سنّت سے تخالف کیا ہے، تو انصاف خیر الاوصاف! جاننے کے بعد ماننا چاہئے۔ اعتراف فرمائیے اور بارگاہ الٰہی جل وعلا سے: قوامین بالقسط شھدآء للہ ولو علیٰ انفسکم (۱۷) کا تمغہ پائیے۔پھر براہ حق پسندی مذہب سنّت کی پابندی اور ان مفاسد کی رخنہ بندی ہو کہ دنیا میں صلاح، دین میں اصلاح، عقبیٰ میں نجاح وسربلندی ہو۔اور اگر رائے گرامی میں ہم نیازمند ہی خطا پر ہیں، توحسبۃً للہ کشفِ غطا ہو، طالبانِ حق کو جواب عطا ہو۔(۱۸)

..................................(جاری)

☆☆☆

(۱۲)-مکتوبات علما و کلام اہل صفا، مرتبہ: مولانا سید عبد الکریم.

(۱۳)-سورۃ الزمر آیت۱۳۵

(۱۴)- سوالات حقائق نما، صفحہ٤، مرتبہ: مولانا حسن رضا بریلوی.

(۱۵)- سوالات حقائق نما، صفحہ٦

(۱۶)- سوالات حقائق نما، صفحہ۳۰

(۱۷)- سورہ نساء آیت ۱۳۵

(۱۸)- سوالاتِ حق نما، ص:٤

تحریکِ خلافت اور تحریک ترک موالات النُّور کی روشنی میں

حیدر رضا مصباحی پورنوی

ایک انتہائی اہم خلجان کا ازالہ: اس مقالہ خوانی کے درمیان ایک شبہہ، جس نے آپ کو بار بار پریشان کیا ہوگا، وہ یہ کہ مسلم سیاسی لیڈراں نے "خلافت تحریک" اور نان کوآپریشن کی صورت میں جو کچھ کیا، وہ وطنِ عزیز ہندوستان کی آزادی کے لیے تھا تو پھر علامہ سلیمان اشرف کو ان کے پیچھے اس طرح ہاتھ دھو کر پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ کہیں وہ وطن مخالف تو نہیں تھے؟ کہیں وہ برطانیہ نواز تو نہیں تھے؟ تو آئیے آپ سے رخصت ہوتے ہوئے اس خلجان کا بھی بخیہ ادھیڑ دیں۔

بات یہ ہے کہ صاحب "النور" مذہبی غیرت سے مملو تھے، اس لیے ان سے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ ان کی نظروں کے سامنے دین کے نام پر خرافات کا بازار گرم ہو؛ مذہب میں اپنے مقصد کے مطابق تحریف کی کوشش جاری ہوں اور وہ چپ چاپ دیکھتے رہیں۔ پس جو حق تھا، اسے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دیا، ورنہ وہ اس تحریک کے مخالف نہیں تھے؛ انھیں برطانوی حکومت سے کوئی دوستی نہیں تھی۔ ان کی شکایت بس ایک تھی کہ جو کچھ بھی کیا جا رہا ہے، اس کے لیے اسلام کو بلی کا بکرا کیوں بنایا جا رہا ہے۔ چناں چہ خود فرماتے ہیں:

"فقیر کی یہی عاجزانہ التماس ہے کہ مسائل کی صورت مسخ نہ کیجیے، شریعت کو یورپ کی پالیسی کا مرادف قرار دے کر اپنے ہاتھوں کا کھلونا نہ بنائیے؛ جو کچھ تمھیں کرنا ہے شوق سے کرو، روکنے والا کون ہے؟ لیکن خدا کے لیے دینِ اسلام کو ذبح نہ کرو؛ اپنے عروج اور چند روزہ عزت و وجاہت کے لیے قرآن و حدیث میں تحریف نہ کرو، اسلامی مسائل کو اپنے حرص و آزار کا شکار نہ بناؤ۔" [النور، ص:۱۶۰]

دوسری بات یہ کہ سیاسی لیڈران تحریک نان کوآپریشن میں شرکت کو ہر مسلمان پر ایسا فرض قرار دیتے تھے، جس کی خلاف ورزی کرنے والا نہ صرف مرتکب حرام؛ بلکہ منافق ہو جاتا تھا۔ ظاہر ہے یہ رجحان اسلام کی روح کے یکسر منافی تھا؛ اس لیے مصنف نے بڑی سختی سے ان کے ہفوات کا نوٹس لیا؛ ان پر حق واضح کرتے ہوئے تنبیہ کی کہ بلا شبہہ اس طرح کی تحریک چلانا مباح اور جائز ہے، لیکن قرآن عظیم میں تحریف معنوی کر کے اسے فرض قرار دینا، ان مفتیانِ سیاسی کے اختیار میں نہیں ہے اور دنیا کو یہ بھی جتا دیا کہ میری مخالفت ذاتی عناد یا کسی اور مفاد پر مبنی نہیں، بلکہ اسلام کے اصول کی پاس داری میں تھا۔ اس سلسلے میں وہ رقم طراز ہیں:

"فقیر نہایت ادب سے گذارش کرتا ہے کہ سوال جواز و عدم کا نہیں، گفتگو تو آپ کے اس ادعا میں ہے کہ آں جناب کی تحریکات میں تعمیل مسلمانانِ ہند پر فرض ہے۔ اور جو شخص تامل و فکر کرے، یا اصلاح و ترمیم پیش کرے، وہ مرتکبِ حرام، دائرۂ اسلام سے خارج اور پختہ منافق ہو گیا۔" [مصدر سابق، ص:۱۸۷]

آگے لکھتے ہیں: "غایۃ مافی الباب یہ کہ لیجیے کہ آپ کی رائے ایک مسئلۂ شرعی کی تائید میں ہے۔ لیکن اپنی رائے کو شریعت کو فتویٰ اور قرآن کا حکم قرار نہ دیجیے۔ اگر آپ کی تجویز سے کوئی اختلاف کرتا ہے تو اسے فرض کا منکر نہ کہیے۔ فرائض تو وہی ہیں، جنھیں حق سبحانہٗ نے فرض کر دیا۔ کیا آپ کی رائے اور حق سبحانہ کا ارشاد ایک مرتبہ رکھتا ہے؟ ایسا دعویٰ کرتے ہوئے کچھ تو حیا کیجیے۔" [مصدر سابق، ص:۱۸۰]

تیسری بات یہ کہ علامہ سلیمان اشرف علیہ الرحمۃ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں استاد تھے۔ تحریک نان کوآپریشن کے تحت سیاسی لیڈروں نے سرکاری اداروں میں پڑھنے پڑھانے کو حرام اور نہ جانے کیا کیا کہہ ڈالا تھا؛ پس اس ضمن میں علامہ صاحب کو انگریزی حکومت کا وفادار اور اس طرح کی دوسری گالیاں دی گئیں، چناں چہ ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

"تمھاری دشنام دہی کی یہ ہمہ گیری ہے کہ جہاں تم نے ایک رکنِ دین، حامیِ شرعِ متین، امامِ اہلِ سنت، مجددِ ملت مائۃ حاضرہ، موید ملتِ طاہرہ (امام احمد رضا قدس سرہ (۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) مراد ہیں، ان تحریکات کے حوالے سے یہی آپ کا بھی نظریہ تھا جو مصنف النور کا تھا۔ آپ نے "المحجة المؤتمنة في آية الممتحنة" نامی کتاب لکھ کر حق ایسا واضح فرمایا کہ مخالفین کے انت کھٹے ہو گئے۔ مصباحی) پر سب و ستم کیا، وہاں اس فقیر بے نوا کو بھی بار بار متعدّد جرائد میں تم نے گالیاں سنائیں۔ میں نے

تمھارا کیا بگاڑا تھا؟ بے شک یہ قصور ہوا کہ جس وقت ساری زبانیں گنگ تھیں، مجھ گنہگار کی زبان کلمۂ حق کہہ رہی تھی۔ جس وقت سارے اقلام خشک تھے، مجھ بے بضاعت کا قلم مصروفِ تحریر تھا، جس وقت سارے پاؤں مفلوج تھے، مجھ ضعیف کا پاؤں منزل رساں راستہ پر تھا۔ انصاف کرو، اس میں میری کیا خطا ہوئی، یہ تو اللہ کا فضل تھا، تم ہلال احمر کے نام سے چندہ تحصیل کرتے تھے اور دادِ عیش دیتے تھے؛ زر کشی کے لیے جس طرح کے مضامین ضروری تھے، تم انھیں کو لکھتے، انھیں کو کہتے تھے، لیکن اس فقیر کو خلافت کی لَو لگی تھی؛ اس لیے ترکوں کی مختصر تاریخ پھر ان کی خلافت، ان کی اطاعت اور ان کے حقوق دلیل و برہان کے ساتھ لکھ کر مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیا (دیکھو فقیر کا رسالہ "البلاغ")

[مصدر سابق، ص:۲۲۸، ۲۲۹]

اور اپنا دفاع کرنا ہر شخص کا حق ہے، اس لیے اس کتاب میں تعلیمی امداد کا مسئلہ کئی بار چھیڑا ہے اور بوجہِ اکمل یہ ثابت کر دکھایا کہ جب تمدنی زندگی میں کفار و مشرکین کے ساتھ بر و اقساط ممنوع نہیں تو پھر حکومت انگلشیہ کے امداد یافتہ اسکولز، کالجز میں پڑھانا بھی حرام نہیں۔ مزید دلیل عقلی سے اس کے جواز پر مہر ثبت کرتے ہیں۔ آئیے آپ کو قوتِ استدلال کا جلوہ دکھاتے ہیں:

"نہایت عاجزانہ آپ حضراتِ گرامی قدر سے فقیر اس مسئلہ کو سمجھنا چاہتا ہے کہ از روے شریعت اسلام مالی امداد اور الحاق مدارس موالات کیوں کر ہے؟ مالی معاونت کی حقیقت یہ ہے کہ گورنمنٹ ہم سے تعلیمی ٹیکس وصول کرتی ہے، اس کا مال گزاری اراضی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو وہ رقم ہے جسے علاوہ لگان ہم ہم ہندوستانیوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ ہندوستانی اپنے کمائے ہوئے اور حاصل کیے ہوئے روپے میں سے ادا کرتے ہیں۔ ٹیکس کے نام سے گورنمنٹ ہم سے لیتی ہے اور مدد کے نام سے ہمیں واپس دیتی ہے۔ اس لین دین اور الٹ پھیر میں نہ عیسائیت کی مدد، نہ نصرانیت کی معاونت۔ اپنا ایسا دیا ہوا مال، جو تعلیم ہی کے لیے ادا کیا گیا تھا، جب اس کی واپسی ہوئی ہے تو یہ موالات کیوں کر ہو گیا؟" [مصدر سابق، ص:۱۹۱]

چوتھی بات یہ کہ ان تحریکات کے موقع پر سیاسی لیڈروں نے ہندوؤں کی محبت و مودت میں جو خرافات کیں، مثلاً: ان کے ساتھ ہولی کے رنگ میں رنگے، قشقہ لگوایا اور دوسرے اس نوع کے امور، اس کے علاوہ گاندھی کی مدح سرائی میں آسمان و زمین کے جو قلابے ملائے؛ مثلاً: انھیں مذکر کہا، ان کی پیروی کو اپنے اوپر بالکل لازم کر لیا اور دوسرے عجیب و غریب خیالات جو روحِ ایمان کے منافی تھے، ان سب چیزوں کو دیکھ کر مصنف کو مجبوراً میدان میں آنا پڑا۔ اب ذرا گاندھی کے متعلق ان حضرات کے جواز مدّاحی کا نمونہ دیکھیے اور صاحبِ کتاب کے اغراض کی ایمانی جرأت کی داد دیجیے:

شوکت علی صاحب: "اے اللہ، ہم سے ایک نیک کام ہو گیا ہے کہ میں اور "مہاتما" گاندھی یقینی "بھائی" ہو گئے ہیں۔" [فتح، دہلی، ۲۴ر نومبر ۱۹۲۰ء، بحوالہ النور، ص:۲۲۷]

ایک اور صاحب: "خدا نے ان کو (گاندھی کو) ہمارے واسطے مذکّر بنا کر بھیجا ہے؛ قدرت نے ان کو سبق پڑھانے والا مدبر بنا کر بھیجا ہے۔" [مصدر سابق بعینہٖ]

شوکت علی صاحب ہندوؤں کو خوش کرنے کے متعلق فرماتے ہیں: "زبانی جے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کرو گے تو خدا کو راضی کرو گے۔" "بھائیو! خدا کی رسی کو، مضبوط پکڑو، اگر ہم اس رسی کو مضبوط پکڑیں گے تو چاہے دین ہمارے ہاتھ سے جاتا رہے؛ مگر دنیا ہمیں ضرور ملے گی۔" [مدینہ اخبار، بجنور، ۲۱ر جنوری ۱۹۲۰ء، بحوالہ النور، ص:۲۲، ۲۲۷]

میرا یقین ہے کہ اب کوئی بھی حق پسند شخص علامہ سلیمان اشرف صاحب کی تحریک نان کوآپریشن کی "مخالفت" پر حیرت نہیں کرے گا۔ ایسے ہی وہ خلافتِ عثمانیہ کے مخالف نہیں تھے؛ بلکہ اس کی اطاعت اور حقوق پر "البلاغ" نامی ایک مدلل رسالہ تحریر فرمایا، جو اس کے اثبات کے لیے کافی ہے کہ وہ سلطنت عثمانیہ کے سخت حامی تھے۔ اور ہوتے بھی کیوں نہیں کہ ایک باغیرت مسلم کے لیے خلافتِ عثمانیہ جیسی اسلامی سلطنت کو ناپسند کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ان کے اندر اس سلطنت کے تئیں ایک دھڑکتا ہوا دل تھا؛ جبھی تو جذباتی اور درد بھرے انداز میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اس وقت خلافت کی ہمدردی میں جو جوش مخلصانہ مسلمانوں میں پیدا ہوا تھا، وہ موجودہ حمایتِ خلافت سے اپنی شکل و صورت اور طرز و انداز جداگانہ ہی رکھتا تھا۔ اس میں نہ تو کسی ہندو کی لیڈری تھی، نہ مسلمانوں کو ان کی غم گساری کی حاجت۔ وہ ایک ایسا موقع بیداری کا مسلمانوں کے لیے آیا تھا کہ رہ نمایانِ قوم اگر چاہتے تو مسلمانوں کی آنکھوں سے نیند کا خمار بھی دفع ہو جاتا، لیکن ہزار افسوس اس بدنصیب قوم پر،

جسے بیداری کے بعد پھر خواب آور دوا پلادی گئی۔" [النور، ص:۲۲]

تو پھر خلافت تحریک کی مخالفت کیوں کی: اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تحریک تحفظِ خلافت کے لیے نہیں چلائی گئی تھی؛ بلکہ مقاصدِ کانگریس کی تکمیل کی خاطر اس کی بنیاد پڑی تھی؛ جیسا کہ صفحاتِ مذکورہ میں آپ مفصلاً مدللاً پڑھ آئے ہیں، اور علامہ سلیمان صاحب اِسی بات کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے کہ دنیوی مطلب کے لیے اسلام کی قربانی دی جائے؛ اس لیے اس تحریک کی مخالفت میں آواز بلند کی۔

دوسری بات یہ کہ صاحبِ کتاب اپنی مومنانہ فراست اور حکیمانہ دور اندیشی سے اس بات کو بھانپ گئے تھے کہ اس تحریک کے ذریعہ مسلمانوں کو آزادیِ وطن کی لڑائی میں استعمال تو کیا جائے گا، لیکن جب متحدہ کوششوں سے یہاں ہندوؤں کی حکومت قائم ہوگی تو مسلم قوم اس سے کہیں زیادہ پسماندگی کی دلدل میں دھکیل دی جائے گی، جس میں ابھی وہ برطانوی حکومت کے عہد میں پھنسی ہوئی ہے۔ اور جب معاملہ ایسا ہونے والا ہے تو پھر کیوں اس مقصد کے لیے اسلام کا نام بیچا جائے؟ اس لیے انھوں نے اس تحریک کی مخالفت کی اور سچر کمیٹی کی رپورٹ سے یہ حقیقت سامنے آچکی ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کی تعلیمی اور اقتصادی حالت دلتوں سے بھی بدتر درجے تک پہنچادی گئی ہے۔ یہاں پہنچ کر اس مردِ خدا کی فراستِ ایمانی کی داد دیے بغیر میں نہیں رہ سکا۔ ذرا دیکھیے تو کس طرح یہ مجاہد مسلمانوں کو آنے والے خطرے سے آگاہ کر رہا تھا:

"لیکن اسی کے ساتھ مسٹر گاندھی کی کمال ہنرمندی کا اظہار اس حکیمانہ طرزِ عمل سے ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ میں صرف انھی مقاصد واغراض کے تکملہ اور تحصیل کے لیے لاکر کھڑا کر دیا جائے، جس سے ہندوستان کی آزادی برسوں کی راہ گھنٹوں میں طے کرلے۔ لیکن یہ ملک جس قدر آزادی سے قریب ہوتا جائے، اسی قدر خود مسلمانوں ہی کے جدوجہد سے ہندوؤں کی حکومت یوماً فیوماً قوی ہوتی جائے اور مسلمانوں کی ہستی ہندوستان مین مٹتے مٹتے شودر کے مرتبہ پر پہنچ جائے۔" [مصدر سابق، ص:۲۹]

آخر میں اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ حضرت مصنف کو غریقِ رحمت کرے؛ ہمیں اسلامی اصول کے غلط استعمال سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور مستقبل کے لیے صحیح سمت میں گام زن رکھے۔ (آمین)☆

(ص:۲۴ کا بقیہ)... اس اہم قرار داد پر علما ومشائخ اہلِ سنت کے علاوہ دیگر مذہبی رہنماؤں اور سیاسی قائدین کے دستخط موجود تھے۔ علما ومشائخ اہلِ سنت اور مسلم رہ نماؤں کی مسلسل کاوشوں کے نتیجے میں ۳۰ر جون ۱۹۷۴ء کو پیش ہونے والی قرار داد ختم نبوت کی روشنی میں ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے اتفاقِ رائے سے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے جملہ پیروکاروں، بشمول احمدی، قادیانی، لاہوری، مرزائی سب کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ اب جب کہ پاکستانی اسمبلی نے اٹھارہویں ترمیم منظور کرلی ہے تو ایک بار پھر مرزائی اور قادیانی جماعتیں اپنے غیر ملکی آقاؤں کے اشارے پر سرگرمِ عمل ہیں اور اس قرار داد کے خاتمے کے لیے کوشاں ہیں۔ امریکہ، یورپ اور افریقی ممالک میں ان کا ٹیلی ویژن، نیٹ ورکس، شب وروز گم راہ کن پروپیگنڈے میں لگا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے علما ومشائخ اور مذہبی وسیاسی قیادتیں ان کی ریشہ دوانیوں کے مدِ مقابل میدانِ عمل میں آئیں، اسی میں ملتِ اسلامیہ کی بقا کا راز مضمر ہے۔

۱۹۰۰ء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، علمائے اہلِ سنت نے اس کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنایا اور اس کا ردِ بلیغ کیا۔ اسی زمانے میں حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے مرزا قادیانی کی تردید میں متعدّد کتابیں لکھیں۔ ان میں "السوء العذاب علیٰ مسیح الکذاب، ختم نبوت، قہر الدیان علیٰ مرتد قادیان، المبین ختم النبیین، المرتد القادیانی، اثبات حیات المسیح" مشہور تصانیف ہیں۔ حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب مجددی گولڑوی (راولپنڈی) نے مرزا قادیانی کا نہ صرف رد فرمایا، بلکہ تحریری طور پر شمس الہدایہ اور سیف چشتیائی لکھ کر اس کا ردِ بلیغ بھی کیا۔ آپ مرزا قادیانی کی دعوتِ مناظرہ اور مباہلہ کو قبول کرکے خود لاہور تشریف لائے، مگر مرزا قادیانی سامنے نہیں آیا۔ آپ کی پیشین گوئی کے مطابق مرزا ہیضہ اور دست کے عارضے کا شکار ہوکر واصلِ جہنم ہوا۔ ۱۹۵۳ء میں کم از کم ۳۰ر ہزار مسلمانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ فقط اس وجہ سے پیش کیا کہ ختم نبوت پر قدغن برداشت نہیں کیا جائے گا۔ منکرینِ ختم نبوت کو اسلام سے الگ ملت قرار دیا جائے۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں مجاہدِ اہلِ سنت علامہ عبدالستار خاں نیازی، فقیہ اہلِ سنت تلمیذِ صدر الشریعت، حضرت علامہ خلیل احمد برکاتی قادری کو سزائے موت سنائی گئی تھی، لیکن اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی اور اس سزا سے باعزت بری ہوئے۔ اور اسی طرح فصیلِ ختم نبوت کی حفاظت کون ومکاں کے تاج دار کے غلام قیامت کی صبح تک کرتے رہیں گے۔ "نگاہِ عشق ومستی میں وہی اول وہی آخر"•••

”شُدھی کرن“ تحریک، اور ”گھر واپسی“ ایک فکر انگیز تاریخی جائزہ

خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی

ماضی قریب کی ”شدھی سبھا“ سوامی شردھانند کی مذموم قیادت میں مسلم آبادیوں کو تہ و بالا کر رہی تھی مگر علماے اہلِ سنت نے اس کا قلع قمع کر دیا تھا، حالیہ دور کے جن سنگھیوں کے بطن سے پیدا ہونے والی تحریک ”گھر واپسی“ اسی کی تجدید ہے۔ اس نے بھی ستر اسّی سال کے بعد ملک کے ماحول کو بگاڑنا شروع کر دیا ہے۔... ذیل کے صفحات میں اس کی تفصیل ملاحظہ کیجیے۔

راقم الحروف کو بخوبی پتہ ہے کہ ”شدھی کرن“ جیسا موضوع سخن ہندوستانی اردو صحافتی دنیا کے لیے اب سرد ہو گیا ہے۔ تاہم جویانِ تاریخ اور طالبان تحقیق کے حق میں یہ موضوع ہمیشہ تازہ رہے گا۔ شدھی کے معنٰی ہیں پاک کرنا یا صاف و ستھرا ہو کر اپنے پرانے طرز زندگی کو اپنانا۔ ادھر دو ایک سال میں ”گھر واپسی“ یا ”Return To Home“ سنگھ پریوار کے ذریعہ اُچھالا گیا وہ مکروہ اور ناقابلِ قبول فلسفہ ہے جو عظیم جمہوری ملک ہندوستان کے تئیں بدامنی، انارکی، خون خرابہ، فتنہ فساد اور جغرافیائی لحاظ سے تقسیم در تقسیم کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ ”شدھی“ کے تعلق سے اگر بغائر نظر مطالعہ کیا جائے تو اس کے تار بیتی ہوئی بیسویں صدی کی دوسری دہائی یعنی ۱۹۲۱ء سے جا ملتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ۱۷۹۸ء میں جب برٹش کمپنی کا خطاب یافتہ و نام زد کردہ مارکوئس آف ولزلی وائسرائے بن کر اندرونِ ہند داخل ہوا تو اس نے ۱۷۹۹ء میں جہاں شیرِ میسور سلطان فتح علی عرف ٹیپو سلطان کو سری رنگا پٹنم میں شکست دی اور پھر اس طرح جب جنوبی ہند کا لگ بھگ بارہ آنا حصہ اس کے زیرِ نگیں آگیا، تو اس نے پلاسی کے میدان میں شاہِ بنگالہ یعنی سراج الدولہ کو جون ۱۷۹۹ء کو ہزیمت سے دوچار کیا اور پھر شمال مشرقی ہند اس کے لیے لقمۂ تر بن گیا، وہیں اس نے شاہانِ مغل کے آخری چراغ یعنی سلطان ابو مظفر محی الدین بہادر شاہ ظفر کو بھی توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ اب ۱۸۵۷ء میں سارے باشندگانِ ہند عالمِ بے بسی اور بے کسی میں آگئے اور پورے وطنِ عزیز پر فرنگی سامراجیت کا پرچم لہرایا جانے لگا۔ اور ہر چہار سو انھیں کے سائے نظر آنے لگے۔

یاد رہے کہ فرنگیوں نے براہِ راست مسلم شاہوں، راجاؤں اور نوابوں کو ہی پہلے پہل رام کیا اور پھر ملک کا اکثر حصّہ زیرِ تسلط آسکا تھا۔ نتیجتاً اولِ وقت سے ہی یہ مسلم قوم ان کی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹکتی رہی اور فرنگی ہمہ دَم منصوبہ بند سازش میں ملوث رہے، انھیں برابر یہ دغدغہ رہا کہ ہندو سندھ کے مسلمان پھر کہیں اور کبھی متحدہ قوت بن کر نہ ابھر آئیں اور کہیں اپنی صدیوں پرانی عظمت و شوکت کی بازیابی میں کفن بردوش نہ دکھائی دیں۔ اس لیے ہندوستان جب تک غلام رہا اور اِسے فرنگی قبضہ واختیار میں دیکھا گیا، تو یہاں کامروپ کی گھاٹی سے لے کر درّۂ خیبر سے لے کر اور لدّاخ و لیہہ سے لے کر کاویری دریا کے ساحل تک فرنگی حکومت کی ایک ہی پالیسی دیکھی گئی ”لڑاؤ اور حکومت کرو“ نوبت بہ ایں جا رسید کہ ان کے دو سو سالہ غاصبانہ عہدِ حکومت میں ہی دین و مسلک، ذات پات، رنگ و نسل، خطہ و علاقہ کے نام پر شیرازہ بند قومیں اس طرح بکھر گئیں کہ آج یہ ایک بڑی روح فرسا و خوں چکاں داستان بن کر رہ گئی ہے۔ ”شدھی کرن“ تحریک فرنگیوں کی اُسی مذکورہ بالا پالیسی کا المناک و تاریک رُخ ہے۔

”ہندوازم ایک جائزہ“ کا یہ چشم کشا اقتباس پڑھیے:

”۱۹۲۱ء میں ہندو مہاسبھا نے ہندی الاصل مسلمانوں کو شدھی کر کے از سرِ نو ہندو بنانے کے لیے شدھی سبھا قائم کی، رفتہ رفتہ اس کا دائرہ اثر خاصا بڑھ گیا۔ حتیٰ کہ پنڈت مدن موہن مالویہ اور سوامی شردھانند جو ایک وقت میں تحریکِ خلافت کے سرگرم رکن اور سیکولر روایات کے علم بردار تھے۔ وہ بھی اس میں بہ گئے۔ بعد میں شدھی تحریک کے روحِ رواں یہی سوامی شردھانند بنے اور پنڈت مدن موہن مالویہ ہندو احیا پرستی کے علم بردار ہوئے۔“ (ص:۱۴۵)

اب آگے دیکھیے کہ شدھی سبھا کے قیام و تشکیل کے بعد تعلیم یافتہ اور سخت متعصب ہندوؤں ں میں کس طرح سے خوشی و مسرت اور جوش و خروش کی لہر دوڑ گئی۔ اس کا اندازہ معروف و سخت گیر ہندو صحافی و مصنف

شرما آمرائے کے ایک طویل مضمون کے اس پیراگراف سے ہوسکتا ہے:

"آریہ سماج میں بیداری پیدا ہوئی، سوامی شردھا نند نے آگرہ میں بھارتی شدھی سبھا کی بنیاد ڈال دی ہے کہ جن کا مقصد اُن نیم ہندوؤں اور نیم مسلمان لوگوں کو جو ہندو دھرم میں آنے کے لیے تلملا رہے ہیں، شدھ کیا جائے۔ کام شروع ہے اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوؤں کے سب فرقے بڑے جوش سے اس کام میں مشغول ہیں، یہ بہت نیک آثار ہیں۔" (روزنامہ ہندو اخبار، لاہور، بابت: ۱۱/ اپریل ۱۹۲۳ء بحوالہ تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، ص: ۲۰۵)

حاصلِ کلام یہ ہے کہ شدھی کرن، شدھی سبھا، یا آج کل کی زبان میں "گھر واپسی" یہ موجودہ وقت کے جن سنگھیوں یا متعصب ہندوؤں کے مزاج و ذہن کی اُپج نہیں ہے، بلکہ یہ وہ موروثی چیز ہے جسے تقریبًا ایک صدی قبل ان کے گرو گھنٹالوں نے مثلاً بنکم چندر چٹرجی، گرو گوالکر، ویر ساورکر اور پنڈت شردھا نند وغیرہ نے انھیں بطور امانت دی۔ جن سنگھیوں کی کوکھ سے نکلی ہوئی یہ "شدھی کرن تحریک" جب میدان عمل میں اتری تھی اور ہزاروں لاکھوں نیم خواندہ اور سادہ لوح مسلمانوں کو مختلف دیار سے اپنے نرغے میں لینے کا خطرناک پلان بنا چکی تھی اور یہ قریب تھا کہ نعوذباللہ کچھ کر گزرتی۔ ایسے شورش زدہ حالات اور نازک ترین ماحول میں اہلِ سنت و جماعت کی مقتدر ہستی حضرت مفتیِ اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ رنج والم سے ایک دَم کراہ اٹھی۔ آپ نے گھر بار چھوڑا، اہل و عیال سے منہ موڑا، دس نفوس قدسیہ پر مشتمل ایک وفد تیار کیا اور بذاتِ خود امیر الوفد ہوئے۔ میرٹھ، بلَند شہر، آگرہ، علی گڑھ، لگ بھگ درجن بھر اضلاع کہ جہاں "شدھی تحریک" اپنا ہاتھ پاؤں مار رہی تھی، میں حضرت موصوف نے نزولِ اجلال فرمایا، سخت محنت و مشقت کی، تحریک کی سرکوبی میں کتنے مہینے تجَ دیے، رات کو رات اور دن کو دن نہ سمجھا، نہانا دھونا، کھانا پینا، راحت و آرام سب قربان فرما دیا۔ کہیں کہیں آبادی میں پہنچنے اور فہم و فہمائش میں لگنے پر مخالفین گھٹیا حرکت و بدترین شرارت پر اتر آتے۔ بقول مولانا سید ایوب علی بریلوی:

"مبلغین وفد اسلام جب ان کے گاؤں میں پہنچتے ہیں تو ان پر کیچڑ پھینکتے ہیں، کتے دوڑاتے ہیں، دور دور سے ہنسی اور تمسخر اڑاتے ہیں، گاؤں میں آریوں کے اغوا سے یہ انتظام کر دیا جاتا ہے کہ مبلغین اسلام کو آٹا، دال، نمک، مرچ کوئی چیز میسر نہ آنے پائے۔"

(تاریخ جماعت رضائے مصطفےٰ، ص: ۲۱۸)

واضح رہے کہ یہاں معاملہ محض دو چار شہروں، قصبوں یا گاؤں دیہات کا نہ تھا، بلکہ ساڑھے چار لاکھ مسلمانوں کے ایمان و اعتقاد کا تھا۔ شدھی تحریک نظریں گاڑے انھیں دیکھ رہی تھی اور ان کے ایمان و عقیدہ پر ڈاکا ڈالنے کے لیے کمر بستہ کھڑی تھی۔ دینی و اسلامی تاریخ کے اس پر خطر موڑ پر اگر مولانا مصطفےٰ رضا خاں، مولانا حامد رضا خاں، مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، مولانا رحم الٰہی منگلوری اور مولانا قطب الدین برہمچاری جیسے لوگ نہ ہوتے تو مذکورہ بالا علاقہ اور وہاں کے مسلمانوں کے ایمان کا کیا حشر ہوتا، سوچ کر ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جسم و روح کانپ اٹھتے ہیں۔ فضلِ خداوندی اور ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کامل محبت اور وفاداری کے صدقہ و طفیل "شدھی کرن" کی آندھی بالکل کافور ہو گئی۔ شدھی کرن تحریک کا بڑی سرگرمی کے ساتھ باضابطہ آغاز ۱۹۲۱ء میں اور انجامِ بد ۷/ ستمبر ۱۹۲۳ء کو سمجھا گیا۔ ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۳ء کے دورانیے میں "شدھی تحریک" کی فتنہ گری و شورش انگیزی کے بالمقابل صرف یہی وفد جو ملک گیر تنظیم "جماعت رضائے مصطفیٰ" بریلی کے جھنڈے تلے تھا۔ میدانِ کارزار میں سینہ سپر رہا۔ باقی رہے اسلام کے نام پر دوسرے فرقے اور جرگے تو یہ خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ مولانا شہاب الدین رضوی لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کی بے حسی آج ہی نہیں بلکہ بہت پہلے سے ہے۔ ہم رونا روتے ہیں کہ آج مسلمان بے حس ہو گیا ہے۔ مگر ۱۹۲۳ء کا ہنگامہ خیز اور معرکہ انگیز دور بتاتا ہے کہ مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی نے ایک سچے پکے مذہب اسلام کی حفاظت اور مسلم راجپوتوں کے ایمان کی حفاظت و صیانت کے لیے نعرہ بلند کیا اور صلائے عام دی، مگر تاریخ کے صفحات بتاتے ہیں کہ ان کا یہ اعلان کئی مہینوں تک ملک کے مشہور اخبارات و رسائل میں چھپتا ہوا مسلمانوں کے کانوں سے ٹکراتا رہا، اسلام کے نام لیوا، اسلام پر جان دینے والے مسلم لیڈران اور ان کی جماعتیں، انجمنیں اور تحریکیں سب خاموش تماشائی بنی ہوئی تھیں۔" (تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، ص: ۲۴۲)

وفد اسلام کے سالارِ اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی جس طرح میدان عمل میں ڈٹے ہوئے تھے اور حلقہ در حلقہ فتح کرتے جا رہے تھے اور شدھی تحریک کی نبض بھی ڈوبتی جا رہی تھی اور وہ جاں بلب ہو رہی تھی، سفر کے اس اخیر پڑاؤ میں کچھ ایسے نامساعد حالات و ناخوشگوار واقعات پیش آئے، نتیجۃً وفدِ اسلام کو مجبور ہو کر جمعیۃ العلما اور خلافت کمیٹی کو بھی خواب غفلت سے بیدار کرنا اور ہر طرح سے جھنجھوڑنا پڑا۔ مولانا حشمت علی لکھنوی تحریر کرتے ہیں "جمعیۃ العلما و خلافت کمیٹی کی طرف سے ابھی تک کوئی عملی خدمت شروع نہیں کی گئی باوجودے کہ ان جماعتوں کے

پاس کافی روپیہ، اور کثیر التعداد مبلغ اور لیکچرار بھی ہیں۔ اگر ان میں سے ایک جزو اس کام پر مامور کر دیا جاتا تو ان جماعتوں کی شان سے کچھ بعید نہ ہوتا، لیکن نہ معلوم یہ جماعتیں اس کام کو کیوں غیر ضروری سمجھتی ہیں اور ساڑھے چار لاکھ مسلمانوں کے ایمان کا خطرہ ان کو کیوں نہیں بے چین کرتا؟ مسلمانوں کی خواب غفلت کب تک رہے گا اور وہ اپنے دین پر ایسے زبردست حملے دیکھ کر بھی ہوش میں نہ آئیں گے؟" (دبدبۂ سکندری رام پور، ص:۴، بابت ۱۶/ فروری ۱۹۲۳ء، بحوالہ تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ)

تسلسل سے اپیل و گزارش اور گفت وشنید کے ذریعہ یہ عقدہ حل ہوا اور بہتیری انجمنوں اور تنظیموں نے اقدامات کیے اور متحد و منظم ہو کر "شدھی کرن تحریک" کا جنازہ نکال دیا۔ جن انجمنوں اور تنظیموں نے اس تاریخی کارِ خیر میں فرض شناسی، اور خلوص وللّٰہیت کے ثبوت دیے، ان میں خصوصیت کے ساتھ: • انجمن خدام الصوفیہ، فیروز پور، پنجاب • انجمن ہدایۃ الاسلام اچھرہ • مدرسہ الٰہیات، کان پور • انجمن نعمانیہ لاہور • انجمن تعلیم القرآن، نوشہرہ • انجمن حفاظت اسلام، آگرہ قابل ذکر ہیں۔

اتنی گفتگو کے بعد یہ حقیقت عالم آشکار ہو گئی ہوگی کہ ماضی قریب کی شدھی سبھا جو سوامی شردھانند کی مذموم قیادت میں مسلم آبادی کو تہ وبالا کر رہی تھی اور ان کے عقائد و خیالات کے قبلہ کو غلط و ناپاک سمت لے جا رہی تھی، وہیں حالیہ دور کے جن سنگھیوں کے بطن سے پیدا شدہ "دھرم پریورتن" و "گھر واپسی" جیسا قدیم و مجرب نعرہ و نظریہ اور دیرینہ راگ اور سُر نے ۹/۸ دہائی کے طویل عرصہ بعد ایک بار پھر ملک کی ستھری و پاکیزہ فضا کو مسموم کر دیا ہے۔ توے سال قبل "شدھی سبھا" اور آج کی "گھر واپسی" یا "دھرم پریورتن" ایک ہی چیز ہے، فرق اتنا بھر ہے کہ کل کی "شدھی سبھا" کی باگ ڈور سوامی شردھانند گولکر جیسے ہندو انتہا پسندوں کے ہاتھوں میں تھی اور آج کے دھرم پریورتن یا گھر واپسی کا عنان آر۔ایس۔ایس۔، بجرنگ دل، وشو ہندو پریشد کے اعلانیہ مسلم مخالف شہزوروں کے ہاتھوں میں ہے۔ جہاں تک سنگھ پریوار کے "گھر واپسی" فلسفے کا تعلق ہے، تو عرض گزار ہوں کہ اپنا وطن عزیز ہندوستان جو گنگا جمنی تہذیب کا مثالی گہوارہ، بھانت بھانت کی ذات پات، رنگ ونسل، اور گوناگوں افکار و عقائد اور متنوع زبان و طرز زندگی کا مسکن ہے۔ یہاں ایسی واہی تباہی بکنا اور گھناؤنی سازش رچنا اور گندی ذہنیت کو عملی جامہ پہنانا قطعی طور پر ملک کے مفاد میں درست نہیں۔ اور یہ بھی کہ "گھر واپسی" کا تختۂ مشق مسلم برادران وطن کو ہی کیوں بنایا جا رہا ہے؟ نشانہ بازوں کی ٹولی صرف انھیں کی طرف ناوک افگنی کو اپنا مذہبی، سماجی اور اخلاقی و منصبی فریضہ کیوں سمجھ رہی ہے؟ یہاں تو ان کے ساتھ بدھ مت، جین دھرم اور سکھ ازم و عیسائی مذہب کے لوگ بھی شبانہ روز بسر کرتے ہیں اور اس ہندی دھرتی کے باشندے اور اہلیان وطن میں سے ہیں۔

جن سنگھیوں کو چاہیے کہ اول اول وہ بدھ مت کے ماننے والوں سے "گھر واپسی" کی بات کریں، چوں کہ بدھ مت کے بانی سدھارتھ المعروف گوتم بدھ اپنے والد شدودھن ساکیہ کی طرح ایک بنیاد پرست ہندو تھا اور ۵۶۶ قبل مسیح گاؤں لمبنی، نزدیک کپل وستو ملک نیپال میں جنم لیا تھا۔ پھر جب وہ بچپن کے دور سے گزر کر عنفوانِ شباب کے عہد میں قدم رکھا تو اس نے اپنے ہندو مذہب میں در آئی خرافات اور بے بنیاد خیالات و نظریات دیکھے۔ مذہبی رہنماؤں اور ٹھیکیداروں کی کارستانی اور بے راہ روی کا مشاہدہ کیا، معاً خواص و عوام کو بھی ایسے عجیب وغریب مراسم و معمولات کا پابند پایا جن کا بیان کبھی دیکھا گیا نہ سنا گیا، تو ایسے حال میں گوتم بدھ اپنے ہمراہوں اور معتقدوں کے ساتھ ان تمام مذکورہ بالا امور اور مسائل کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ صدائے احتجاج بلند کی، اصلاحی کوششوں میں تن من سے لگ گئے۔ اس حوالے سے گھر گھر، گاؤں گاؤں اور شہر شہر کے دورے کیے، تقریریں کیں اور مجلسی گفتگو اور ہم کلامی کا سہارا لیا۔ مگر ڈھاک کے تین پات اور نار خانے میں طوطی کی آواز۔ گوتم بدھ کی ہر کوشش رائگاں گئی اور تمام جد وجہد نے دَم توڑ دیا۔ بالآخر گوتم بدھ نے ایک نئے خیال، نئے نظریے اور جدید مذہب کی داغ بیل ڈالی جو "بدھ مت" ہے۔ اب ذرا سنگھ پریوار کا ہر چھوٹا اور بڑا بتائے کہ آمد اسلام سے ہزار گیارہ سو سال قبل ایک قد آور بنیاد پرست ہندو یعنی گوتم بدھ اور اس کے سخت گیر ہندو ہمراہیوں نے کیوں کر اپنے آبائی مذہب سے کھلی بغاوت کی، اپنا رشتہ توڑا اور ہر طرح سے پلّا جھاڑتے ہوئے جدید مذہب کی بساط بچھائی اور اپنے دھرم کی علاحدہ شناخت پر مصر رہے اور ہیں۔

لہٰذا سنگھ پریوار کے ہر چھوٹے بڑے کو میرا مشورہ ہے کہ اولین فرصت میں پہلے وہ "بدھ مت" کو زندہ در گور کریں اور پھر اس کے ماننے والوں کو دھر دبوچیں اور گھر واپسی یا دھرم پریورتن کے تحت کٹر ہندو بنائیں اور ان کے پرانے عقائد و نظریات کو ملیا میٹ کر دیں۔ اس منصوبے میں اگر سنگھ پریوار کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر وہ "جین مت" اور اس کے بانی مہاویر ولد راجا سدھارتھ اور اس کے ماننے والوں پر اپنی نگاہیں گاڑیں اور ہر ممکن ہتھکنڈہ استعمال کرتے ہوئے جہاں "جین مت" کو دفن کر دیں، وہیں اسی طرح "گھر واپسی" اور "دھرم پریورتن" کے فلسفے کو عملی جامہ پہنانے میں ایک ایک فرد کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالیں اور سچا پکا

وفادار ہند بنائیں۔ چوں کہ بدھ مت کی طرح جین مت کا بھی وہی پس منظر ہے۔ جین مت کا موسسِ اعلیٰ مہاویر بہار کے ویشالی گاؤں میں پیدا ہوا اور ۶۰۷ قبل مسیح اپنے مذہب و عقائد کی بنیاد رکھی۔ یہ گوتم بدھ کا ہم زمانہ تھا۔ جین مت کے ماننے والوں کے پس پردہ وہی حقائق و واقعات تھے جو بدھ مت کے تھے۔

(ملخص از: تاریخ ہند، مرتب: محمد الیاس بھٹکلی، ناشر فرید بک ڈپو، ص: ۳۱،۳۳)

سانس روک کر اب ذرا سنگھ پریوار سے یہ کہوں گا کہ جب آپ اور آپ کے تمام شرکاے سفر ان خارزاروں اور حوصلہ آزما مراحل کو عبور کرلیں اور فتح یاب و سرخرو ہوکر میدانِ عمل سے باہر آئیں تو پھر کہیں جاکر عیسائیوں، مجوسیوں، پارسیوں اور مسلمانوں و سکھوں کے تعلق سے اپنے نادر شاہی فرامین جاری کریں۔ اور حسبِ عادت زہر افشانی و شعلہ باری کے مذموم کام میں مصروف و مشغول ہوں۔

ویسے جہاں تک مسلمانوں کا معاملہ ہے، یہ یہاں پچیس کروڑ سے زیادہ تعداد رکھتے ہیں، ان میں ایک بڑی آبادی ان ہندی الاصل مسلمانوں کی ہے جن کے آبا و اجداد نے یہاں کی سرزمین پر قدم رنجہ فرمانے والے بزرگوں، صوفیوں اور بلند اخلاق و اوصاف کے حامل خدا رسیدہ انسانوں کے ہاتھوں اسلام قبول کرلیا تھا اور کچھ تعداد ان عرب، افغان، ترک اور ایران نژاد مسلمانوں کی ہے جو عہدِ وسطیٰ میں یہاں آکر آباد ہو گئے تھے اور پھر اسی خاک کو اپنا مسکن و مدفن بنالیا تھا۔ اس طرح آج جو مسلمان یہاں آباد ہیں اُن کا رشتہ اِس سرزمین سے صدیوں پرانا ہے۔ ان مسلمانوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں اس ملک کی تعمیر و ترقی میں صَرف کیں، یہاں ایک بہترین مواصلات کا نظام اور کشادہ و وسیع سڑکیں بنائیں، خوب صورت عمارتوں سے اسے مزین کیا، تعمیرات کا عمدہ ترین فن دیا، پر امن نظام حکومت عطا کیا، تاریخ میں پہلی دفعہ ہندوستان کی وحدت کا تصور دیا۔ یہاں ان علوم و فنون کی داغ بیل ڈالی جو وسط ایشیا میں رائج تھے، یہاں کے علوم و فنون کو ترقی دی، یہاں کی زبانوں خاص طور پر سندھی، بنگلہ، پنجابی، تمل اور ہندی کو ایک معیاری ادب بخشا، بلکہ ہندی کے بانی کی حیثیت سے مسلّم طور پر امیر خسرو کا نام لیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ ملک محمد جائسی، عبد الرحیم خان خاناں، اور آس محمد گوپامئوی وغیرہ ہندی کے صفِ اول کے شاعر مانے جاتے ہیں۔ ۱۲۰۶ء تا ۱۸۵۷ء یہاں اسلامی دور حکومت رہا۔ تمام مسلم حکمرانوں نے اپنے اپنے عہد میں اپنے طور پر سلطنتیں قائم کیں اور ہر رخ سے ہندوستان کو فروغ و ترقی کی راہ پر گام زن رکھا۔

اس امر واقعہ پر ہر غیر جانب دار اور انصاف پسند مورخ شاہد ہے۔ رہ گیا متعصب و جانب دار مورخ کا یہ الزام کہ یہ سبھی حکمران خاندان حملہ آوروں میں سے تھے، ہمیں یہ بات تسلیم ہے، مگر انصاف و دیانت داری کی عینک سے یہ بھی ملاحظہ فرمایا جائے کہ ان مندرجہ بالا حکمراں خاندان میں سے جس خاندان نے بھی جب کبھی ہندوستان پر ہلہ بولا تو اُسی وقت جب کہ یہاں ایک سرے سے دوسرے سِرے تک راجے مہاراجے آپسی چپقلش، طوائف الملوکی اور خانہ جنگی کے شکار تھے۔ ہر طرف بدامنی و انارکی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ ایسے عالم میں انسان کا انسانیت کے تحفظ و بقا کی خاطر آگے آنا، وقت، حالات، ماحول کا عین تقاضا و مطالبہ ہوتا ہے۔ معًا یہ نکتہ بھی ذہن نشیں رہے کہ یہ حکمراں خاندان جتنے بھی آئے اور یہاں کے ہندو حکمرانوں سے جنگیں لڑیں، کلیۃً سیاسی نوعیت و خصوصیت کی تھیں۔ مذہب و عقیدہ، تہذیب و ثقافت وغیرہ کا اِن میں ذرّہ برابر بھی نام و نشان تک نہ تھا۔

یہی وجہ ہے کہ چتوڑ گڑھ کے میدان میں جب اکبر بادشاہ راجا رانا پرتاپ سنگھ سے لڑنے کے لیے گئے تو اکبر بادشاہ کا سپہ سالارِ اعظم خود رانا پرتاپ سنگھ کا بھائی راجا مان سنگھ تھا۔ اسی طرح خانواہ کی رزم گاہ میں جب بابر مہاراج رانا سانگا سے دو دو ہاتھ کرنے چلا تو رانا سانگا کی فوج کا سپہ سالار اعظم ایک مسلمان ابوبکر لودھی تھا۔ اخیر اخیر میں یہ حقیقت بھی ذہن میں بٹھادوں کہ بیرون ہند سے آنے والے یہ سارے حکمراں خاندان یہاں امن و امان اور سکون و آشتی کے قیام کے خیال سے آئے تھے یا پھر حکومت و بادشاہت کے تخت پر براجمان ہونے کے لیے پہنچے تھے، جو بھی ہو، لیکن اتنی بات تو طے ہے کہ انھوں نے رختِ سفر باندھنے کے وقت اپنے اپنے گھر آنگن کی سوندھی مٹی سے پشتینی تعلق توڑا تھا۔ اڑوس پڑوس سے منہ موڑا تھا۔ اپنے اپنے شہر و بازار کو خیر باد کہا تھا۔ بام و در اور ماحول و فضا کو الوداعی سلام کہا تھا۔ اور پھر جب وہ یہاں جم گئے تو اسی سر زمین کو دل دے بیٹھے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ انھوں نے فرنگیوں، فرانسیسیوں اور پرتگالیوں کی طرح اس دھرتی کو قزاقی، رہزنی، لوٹ کھسوٹ، قتل و خوں ریزی اور استعماریت کی آماجگاہ نہیں بنایا تھا۔

بالکل اخیر میں پھر اسی عبارت کا اعادہ کررہا ہوں:

گزشتہ مہینوں اور رواں سال کے اندر ''گھر واپسی'' یا ''Return To Home'' سنگھ پریوار کے ذریعہ اُچھالا گیا وہ مکروہ اور ناقابلِ قبول فلسفہ ہے جو عظیم جمہوری ملک ہندوستان کے تئیں بدامنی، انارکی، خون خرابہ، فتنہ فساد اور جغرافیائی لحاظ سے تقسیم در تقسیم کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے۔'' ☆☆☆☆☆

فکر و نظر

منگنی کی شرعی حیثیت اور موجودہ رسمیں

ایک تجزیاتی مطالعہ

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

دسمبر ۲۰۱۵ء کا عنوان	مرکز کا اصل حکمراں کون؟ بی. جے. پی. یا آر. ایس. ایس.
جنوری ۲۰۱۶ء کا عنوان	عصری بے راہروی کا سدِباب: تعلیمات غوثِ اعظم کی روشنی میں

منگنی کی غیر شرعی رسموں سے پرہیز کرنا ہر مسلمان پر لازم

مولانا محمد ساجد رضا مصباحی، استاذ جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف، ضلع اوریا

شادی ایک شدید ترین فطری ضرورت ہونے کے ساتھ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم سنت بھی ہے، اس سنت کی تکمیل اسلامی اصول و قوانین کی روشنی ہی میں ہونی چاہیے، نکاح کی پاکیزہ اور اہم تقریب میں بدعات و خرافات اور متعدّد غیر اسلامی رسوم و رواج کی شمولیت نہ صرف یہ کہ اس کی برکتوں اور سعادتوں سے محرومی کا سبب ہوتی ہے بلکہ ان کی نحوستوں کا اثر ازدواجی زندگی کی پر بھی مُرتب ہوتا ہے

آج ہمارے سماج میں شادیوں کے اخراجات میں اضافہ بھی شادیوں کو دشوار بنا رہا ہے، طرح طرح کے رسوم رائج ہو رہے ہیں، جن کا لحاظ نہ کرنا سماج میں عار اور دقیانوسیت تصور کیا جاتا ہے، اہل ثروت کو ان رسوم کی ادائیگی میں تو کوئی دشواری نہیں ہوتی، لیکن سماج کا غریب طبقہ ان رسوم و رواج کی چکّی میں بُری طرح پس جاتا ہے، بسا اوقات ان سماجی رسوم کے چکر میں شادیوں میں تاخیر ہو جاتی ہے، بوڑھا باپ اپنے بچوں کی خوشی کے لیے دردر کی خاک چھاننے پر مجبور ہوتا ہے، لاکھوں کے قرضے میں ڈوب جاتا ہے۔ آخر ان رسوم و رواج کو ہمارے مسلم سماج نے اپنے اوپر اس طرح مسلط کیوں کر لیا ہے؟ ہر چند کہ ان میں سے بہت سارے رسوم ایسے ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے جائز و مباح ہیں، لیکن ان کی ادائیگی کو اپنے اوپر واجب سمجھ لینا کہاں تک درست ہے؟۔ خدارا ان خود ساختہ اصولوں سے اپنے آپ کو آزاد کیجیے اور ہمارے سماج و معاشرے کو پاکیزہ بنانے کے لیے شادیوں کو آسان اور سہل بنائیے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِن اعظم النکاح برکۃ ایسرہ مؤنۃ" (بیہقی شعب الایمان) سب سے بابرکت شادی وہ ہے جس کا بار کم ہو۔

ہمارے اسلامی معاشرے میں تقریبًا ہر معاملے میں بگاڑ کے ساتھ ساتھ نکاح جیسے مقدس فریضے میں بھی غیر اسلامی رسومات داخل کر کے اس کے حسن کو بگاڑ دیا گیا ہے۔ نکاح کے پہلے زینے "منگنی" کے ساتھ ہی غیر اسلامی رسومات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جو ولیمہ کے بعد تک جاری رہتا ہے۔ بر صغیر ہند و پاک میں نکاح سے پہلے منگنی کی تقریب کا انعقاد برسوں سے رائج ہے، جس کا مقصد چند ذمے دار افراد کی موجودگی میں رشتہ پختہ کرنا اور شادی سے متعلق دیگر امور پر باہم تبادلہ خیال کرنا ہوتا ہے، ظاہر ہے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں اس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ عقد نکاح کو بحسن و خوبی انجام تک پہنچانے میں مدد و معاون ہے، لیکن منگنی کے

نام پر ایسی تقریب کا انعقاد جس میں غیر شرعی امور انجام دینے کے ساتھ ساتھ لڑکی والوں پر مہمانوں کی ایک لمبی جماعت کی اعلیٰ ضیافت کا بوجھ ڈالنا اور ان کی خدمت میں تحفے تحائف پیش کرنے کو ضروری خیال کرکے اس پر مجبور کرنا کب درست ہو سکتا ہے۔

شریعت اسلامیہ نے نکاح کرنے والے مرد کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ نکاح سے قبل اپنی ہونے والی بیوی کو دیکھ سکتا ہے۔ یہ عمل نکاح کو مستحکم بناتا ہے اور بعد نکاح پیش آنے والی بہت ساری دشواریوں کا ازالہ کرتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے نکاح کرنے والے مختلف صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ شادی سے قبل اپنی ہونے والی بیوی کو ایک نظر دیکھ لیں۔ لیکن یہ بہت بے غیرتی کی بات ہے کہ بہت سارے علاقوں میں ہمارے اسلامی بھائی بھی غیر مسلموں کی تہذیب وثقافت سے متاثر ہو کر منگنی کی تقریب میں سجا سنوار کر اپنی بیٹی کو غیر محرموں کی بھری مجلس میں پیش کرتے ہیں، اور دولہے والوں کی طرف سے آنے والے لوگ دلہن کو دیکھنا اپنا بنیادی حق سمجھ کر اس مجلسِ خاص میں ضرور شرکت کرتے ہیں، بعض ماڈرن فیملیز میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لڑکا بنفس نفیس منگنی کی تقریب میں شرکت کرتا ہے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے اپنی ہونے والی دلہن کو انگوٹھی پہناتا ہے، پھر انہیں ایک ساتھ بٹھا کر عزیز و اقارب مبارک بادیاں پیش کرتے ہیں، اور اس یادگار لمحہ کو محفوظ کرنے کے لیے بے محابا تصویر کشی ہوتی ہے، ویڈیو ریکارڈنگ کی جاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ منگنی کی ایسی تقریبات ناجائز و حرام ہیں، ایسی محفلوں میں شرکت بھی ناجائز ہے۔

موبائل کے عام ہونے کے بعد سماج و معاشرے میں جہاں متعدّد پریشانیوں میں اضافہ ہوا ہے وہیں ایک وبا یہ بھی پھیلی ہوئی ہے کہ منگنی کی تقریب منعقد ہونے کے بعد دولہا اور دلہن آپس میں موبائل پر بلا روک ٹوک گھنٹوں باتیں کرتے ہیں، اور اس کو وہ اپنا حق سمجھتے ہیں، طرفہ یہ کہ والدین بھی اس مسئلے میں کوئی نوٹس نہیں لیتے اور نہ ہی منع کرنے کی ہمت جٹا پاتے ہیں، بہت سارے ایسے واقعات بھی سامنے آئے ہیں کہ لڑکے نے شادی سے اس لیے انکار کر دیا کہ لڑکی کے گھر والوں نے شریعت کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے لڑکے کو اس عمل قبیح سے روک دیا۔ واضح رہے کہ منگنی ایک معاہدہ نکاح ہے، نکاح نہیں۔ جب تک نکاح نہیں ہو جاتا، لڑکی کے لیے اس کا ہونے والا شوہر غیر محرم ہے، اس کے لیے ہر اس عمل سے اجتناب ضروری ہے جو غیر محرموں سے جائز نہیں، لیکن ہمارے سماج میں یہ وبا تیزی کے ساتھ پھیلتی جا رہی ہے، اور سماجی سطح پر اس کو عار سمجھنے والوں کی تعداد بھی کم ہوتی جا رہی ہے۔

صنف نازک کا غیر محرم سے اختلاط اور تخلیہ حرام ہے، اس سے بہت سارے گناہوں کے دروازے کھلتے ہیں، شریعت مطہرہ کے اس حکم کو بالائے طاق رکھ کر مسلم نوجوان اپنی منگیتر سے ملنے جلنے کو اپنا حق سمجھتا ہے، بلکہ بعض مذہب بیزار خاندانوں کے بگڑے ہوئے بیٹے اپنی منگیتر کے ساتھ ڈیٹنگ پر بھی جاتے ہیں، مزاج شناشی اور باہمی تکلفات کو دور کرنے کے نام پر اپنے اوقات تفریح گاہوں اور ریستورانوں میں گزارتے ہیں، والدین اس ملاقات کا جواز یہ کہ کر پیش کرتے ہیں کہ اس سے ایک دوسرے کی پسند اور ناپسندیدگی کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے اور آنے والی ازدواجی زندگی کو خوزش گوار بنانے کے لیے ممد و معاون ہوتا ہے، حالاں کہ منگیتر کے ساتھ اس طرح کا اختلاط شرعاً ناجائز و حرام ہونے کے ساتھ بہت ساری پریشانیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے، طے شدہ رشتے ٹوٹ جاتے ہیں، بنی ہوئی بات بگڑ جاتی ہے، اور نکاح سے پہلے ہی رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، اس طرح کے واقعات آئے دن اخبارات کی زینت بنتے ہیں۔

شادیوں میں طرح طرح کے اخراجات، جہیز کا بڑھتا رواج، لمبی چوڑی بارات کا شاہانہ انتظام لڑکی والوں کے لیے خود ہی وبالِ جان ہے، اس پر دن بہ دن منگنی کے رسم میں نت نئے خرافات کا اضافہ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے مزید دشواریاں پیدا کر رہا ہے، رشتہ پختہ کرنا ہی مقصود ہو تو اس کے لیے پوری بارات سجا کر لڑکی والوں کو کنگال کرنے کی کیا ضرورت ہے، اس تقریب کو سادگی کے ساتھ بھی منعقد کیا جا سکتا ہے، چند معتمد اور با اثر لوگوں کی ایک چھوٹی سی جماعت لڑکی والوں کے گھر پہنچ کر معمولی ضیافت کے بعد رشتے کی بات اور نکاح کے دیگر معاملات طے کر سکتی ہے۔ لیکن سماج میں دکھاوا اور ایک دوسرے پر فخر کرنے کے لیے لڑکے والے ایک طویل ترین جماعت اور درجنوں لگزری کاروں کے ساتھ شاہانہ انداز میں منگنی کے لیے جانا ضروری سمجھتے ہیں، دوسری طرف لڑکی والے بھی ان کا مقابلہ کرتے ہوئے، طرح طرح کے پکوانوں اور اعلیٰ انتظامات کے ذریعہ ان کی ضیافت اور خاطر و مدارات کو اپنے اوپر واجب سمجھتے ہیں، چاہے اس کے لیے سودی قرض ہی کی نوبت کیوں نہ آ جائے، ظاہر ہے ان چیزوں کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اور نہ ہی

ہمارے اسلاف نے شادیوں میں ان چیزوں کا اہتمام کیا ہے

حالات کا شدید تقاضا ہے کہ منگنی اور شادی کے ایسے رسوم جو خلاف شریعت ہیں یا ان کی وجہ سے سماج کے متوسط اور غریب طبقہ کے لوگ مسائل کے دوچار ہو رہے ہیں، ان کی مخالفت کی جائے، ان کے مضر اثرات سے عوام کو آگاہ کیا جائے، اور اس کے ساتھ سنت رسول کی روشنی میں شادی کے اسلامی طریقے کو رواج دینے کی ہر ممکن کوشش کی جائے، اگر ہمارے علما و خطبا رسوم شادی کی اصلاح کا بیڑہ اٹھالیں تو مثبت نتائج بر آمد ہو سکتے ہیں۔☆

منگنی کی رسم نے بچیوں کے مسائل کو مزید پیچیدہ کر دیا

مولانا محمد عابد چشتی ثقافی، استاد جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا

دیکھا جائے تو علاقائی سطح سے لیکر ملکی اور عالمی سطح تک جن مسائل اور معاملات کو لے کر انسانی برادری پریشان، مضطرب اور بے چین نظر آتی ہے اگر ان سارے مسائل کا تجزیہ کیا جائے تو شاید پچاس فیصد معاملات صنف نازک کے ارد گرد گھومتے ہوئے نظر آئیں گے جن کو حل کرنے میں دنیا کے بڑے بڑے ذہن اور دماغ کام کر رہے ہیں، سرکاری اور غیر سرکاری تنظیمیں لگی ہوئی ہیں اور ہر طرح کا میڈیا پوری تندہی کے ساتھ اپنی توجہ اس طرف مرتکز کیے ہوئے ہے مگر مسائل ختم یا کم ہونے کے بجائے مزید بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور بچیوں سے متعلق حالات سنگین ہوتے جا رہے ہیں نیز بچیوں کے تعلق سے محبت کی فضا قائم ہونے کے بجائے ان کی طرف سے نفرت اور ناپسندیدگی کا مسلسل فروغ ہو رہا ہے رحم مادر میں قتل کی جانے والی لڑکیوں کے واقعات اس مکروہ فضا کے جیتے جاگتے شواہد ہیں جن کا مشاہدہ ہماری روزمرہ کی زندگی میں شامل ہو گیا ہے بلکہ بچیوں کے قتل کا جو عالمی ریشیو سامنے آیا ہے وہ انتہائی مایوس کن اور افسوس ناک ہے جس کے مطابق ہر ایک منٹ میں سینکڑوں بچیاں بے دریغ اور اور بے رحم طریقہ سے قتل کی جا رہی ہیں خیر سوال یہ ہے کہ اس طرح کے معاملات کے پیچھے کون سی ذہنیت کام کر رہی ہے؟ اور وہ کون سے عوامل ہیں جن کی وجہ سے لڑکی کا تصور معیوب ہوتا چلا جا رہا ہے اگر آپ دماغ کے کینوس پر ابھرنے والے ان سارے سوالات کا جواب تلاشیں گے تو صرف ایک جواب آپ کے سامنے آئے گا اور وہ ہے "شادی بیاہ کے بڑھتے اخراجات اور مہنگی ہوتی شادیاں" آپ یقین جانیے کہ شادی اور نکاح کے ایک سادہ سے عمل کو جس قدر دشوار بنا دیا گیا ہے اس کی وجہ سے لڑکیوں کے سینکڑوں مسائل معاشرہ میں دن بہ دن بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور اللہ جانے کیا بات ہے کہ سماج میں ایک طرف تو تعلیم، ایجوکیشن، تہذیب اور معاشرہ کو صالح بنانے والے دیگر عناصر بڑھ رہے ہیں مگر ان کے اضافے سے جو نتائج بر آمد ہونا چاہیے تھے ان کا کہیں نام و نشان تک دکھائی نہیں دیتا ہے۔

شادی بیاہ میں بڑھتی پریشانیوں کے پیچھے ان رسموں کا زیادہ دخل ہے جو کسی زمانے میں محض ضرورت کے تحت ادا کی جاتی تھیں یا پھر محض ضرورت ہی تھی بعد میں آنے والوں نے اسے ایک رسم سے متعارف کر دیا اور پھر دھیرے دھیرے ان رسموں نے نام و نمود کی جگہ لے لی اور لوگوں نے انہیں فخر و مباہات کا ذریعہ بنا لیا مثال کے طور پر زیر بحث مسئلہ یعنی "منگنی" ہی کو لے لیجیے جسے مختلف قومیں اپنے اپنے ناموں سے یاد کرتی ہیں اس کی سماجی حیثیت یہ تھی کہ لڑکا اور لڑکی کے گھر والے کسی متعیّن تاریخ اور دن میں ایک جگہ اکٹھا ہوں اور رشتہ نکاح کی جو بات صرف زبانی چل رہی تھی اس کو حتمی اور پکی کر دیں نیز اسی محفل میں شادی کی تاریخ، دن، بارات کی کیفیت، لین دین (جواز اور عدم جواز سے قطع نظر) اور اس طرح کے دیگر معاملات کو بیٹھ کر صاف صاف لفظوں میں فریقین کی رضامندی پر طے کر لیے جائیں تاکہ بعد میں کسی قسم کی دشواری اور کرکرا پن یا رشتوں میں دراریں پیدا نہ ہوں یا پھر شادی کے دن کسی بات کو لے کر ہنگامہ آرائی نہ کی جائے جیسا کہ اکثر لڑکے والے اس طرح کے حقوق اپنے ساتھ لے کر ہی آتے ہیں جس کی وجہ وہ مطالبات ہوتے ہیں جن کا تذکرہ لڑکی والوں سے پہلے نہیں کیا جاتا ہے لہٰذا منگنی میں انہیں امور پر توجہ دی جاتی ہے تاکہ فریقین طے شدہ منصوبے کے مطابق اپنے اپنے کام کو بحسن و خوبی انجام دیں اور عزت و آبرو کے ساتھ شادی انجام کو پہنچے "منگنی" اسی مختصر سی نشست کا نام تھا۔

مگر منگنی جو محض ایک ضروری رسم تھی اس میں دیگر غیر ضروری رسمیں اس قدر داخل ہو گئیں کہ رسم در رسم کے اس سلسلہ سے منگنی کرنا اب غریب اور نادار طبقہ کے لیے دشوار بنا ہوا ہے اور اس چھوٹی سی رسم کو

لیکر بھی انہیں سوچنا پڑ رہا ہے کہ کیسے ہوگی ؟اور کس طرح ہوگی ؟بلکہ یہ کہنا اب بے جا نہ ہوگا کہ منگنی اور شادی میں اب صرف نام کا فرق رہ گیا ہے ورنہ اخراجات کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کو منھ چڑھا رہے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں عرض کیا کہ اب منگنی کو جھوٹی شہرت ،نام و نمود اور تعریف بٹورنے کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے اسی لے اس میں فریقین کی طرف سے بے تحاشہ خرچ کیا جارہا ہے اگر چہ اس میں ایک فریق فخر و مباہات کے طور پر تو دوسرا بمجبوری یہ کام کر رہا ہے مگر ایسا ہو رہا ہے اس میں کوئی دو رائے نہیں منگنی میں در آئیں رسموں کو ملاحظہ کیجئے جس سے اخراجات کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے

ا۔ لڑکے والے منگنی لینے پوری شان و شوکت کے ساتھ جاتے ہیں جس میں آتش بازی، ناچ ورنگ، بینڈ باجے اور دیگر خرافات شامل ہیں۔

۲۔منگنی لینے صرف گھر کے مختصر افراد نہ جاکر بارات کی طرح تین سو، چار سو اور کہیں کہیں پانچ سو افراد تک جاتے ہیں جبکہ پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا۔

۳۔لڑکی والے پر عرفا یہ لازم ہے کہ وہ لڑکے والے کے گھر اور خاندان کے ان افراد تک کے لیے کپڑے بھیجے جن کو خود خاندان والے بھی کبھی نہ پوچھتے ہوں۔

۴۔لڑکے والے کی طرف سے جتنے افراد بھی منگنی میں شرکت کر رہے ہیں اس سب کے ناشتے اور اس کے بعد کھانے کا انتظام لڑکی والے کی ذمہ داری یا مجبوری ہے۔

۵۔پھل، میوے اور پیسوں کی بھاری مقدار لڑکی والے کی طرف سے لڑکے کو دی جاتی ہے جو اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے

یہ وہ رسمیں ہیں جس کی وجہ سے منگنی کرنا اب انتہائی مہنگا پڑا ہوا ہے جس کے بعد گھر کی عورتیں بیٹھ کر چرچہ کرتی ہیں کہ ہمارے لڑکے کی منگنی میں اتنا اتنا ساز و سامان دیا گیا یا پھر اتنی دھوم دھام سے ہم نے اپنے لڑکے کی منگنی کی اور یہ بھول جاتی ہیں کہ اسی سماج میں ایسے غریب لوگ بھی بستے ہیں جن کی بچیوں کی عمر ہاتھ پیلے کرنے کی ہوگئی ہے مگر غربت و افلاس کے چلتے ان سے کوئی رشتہ کرنے کو تیار نہیں ہے صرف اس لیے کہ آخر وہاں سے ملے گا کیا۔۔۔۔۔۔؟

ابھی تک تو بات صرف شادی اور نکاح کے بڑھتے اخراجات پر کی جاتی تھی مگر اب شادی سے پہلے منگنی جیسی چھوٹی سی نشست پر گفتگو کرنے کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے اس لیے کہ اس میں در آئیں رسموں نے ماحول کو مزید پراگندہ اور لڑکیوں کے مسائل کو مزید پیچیدہ بنا دیا ہے جبکہ فریقین خاص طور سے لڑکے والے اگر دانشمندی اور سنجیدگی سے کام لیں تو منگنی کی یہ رسم انتہائی سادگی اور کم خرچہ پر بھی ادا کی جاسکتی ہے آخر ان تین سو افراد کو لڑکی کے گھر اسی کے خرچ پر لے جانے کی کیا ضرورت ہے جن کی اکثریت صرف کھانے اڑانے اور بے ہودگی کی غرض سے ایسی تقریبات میں شرکت کرتی ہیں اگر گھر کے صرف پانچ دس افراد جن پر معاملہ کا انحصار ہو منگنی کرنے جائیں تو اس میں حرج کیا ہے ؟یا پھر گھر کے سارے افراد کے لیے کپڑوں والی رسم روک دی جائے تو اس میں کیا قباحت ہے لڑکے والے اتنے قلاش تو نہیں ہوتے ہیں کہ ان کے پاس پہننے کے لیے کپڑے نہ ہوں ؟مگر کون سمجھائے ان کم ظرفوں کو کہ اسلام نے نکاح کے عمل کو جس قدر آسان اور سہل بنایا تھا انہوں نے اسے انتہائی دشوار اور پریشان کن بنا کر اسلامی ماحول کو بگاڑنے کا ذمہ اپنے سر لے لیا ہے جبکہ امیروں کو تو اسی میں مزہ آتا ہے مگر خمیازہ غریبوں کو بھگتنا پڑتا ہے اور ان رسموں کے منفی اثرات سے پورا مسلم معاشرہ کشمکش میں پڑ جاتا ہے۔

ایک گزارش میں اپنے نوجوان طبقہ سے کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ بیدار ہو جائیں اور اسلامی روایات کی طرف مائل ہو جائیں تو شاید ماحول بدلتے دیر نہیں لگے گی اس لیے کہ خاندان کا ہر فرد نوجوان نسل کی سنتا ہے اور اس کی مرضی کے مطابق کام کو انجام دیتا ہے اور ۸۰ فیصد معاملات میں دخل نوجوانوں کی اپنی مرضی کا ہی ہوتا ہے بوڑھے ماں باپ اگر کچھ اچھا کرنا چاہتے بھی ہیں تو جوان بچے کی خواہشات ان کے آڑے آجاتی ہیں جن کے آگے انہیں بہت کچھ سوچ کر جھکنا پڑتا ہے۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے اور آنے والی زندگی کے ہر لمحہ کو خوشگوار بنائے آپ کی ہر آرزو کی تکمیل ہو اور ہر خوشی آپ کے قدم چومے بس ہمارے دل کی آواز کو سن لیجئے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کیجئے ہمارے علما کے مقدس قلم کی سیاہی کا ایک ایک قطرہ تمھارے حق میں دعا کرے گا وہ علما جو راتوں جاگ کر آپ کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں اور مسلسل تمھاری طرف امید کی نگاہ سے دیکھتے رہتے ہیں کہ اب انقلاب آئے اب انقلاب آئے اب انقلاب آئے۔

☆☆☆☆

نقد و نظر

نام کتاب: **تذکرۂ اسلاف**
مصنف : محمد ساجد الرحمٰن قادری مصباحی
صفحات : ۷۲ قیمت: ۲۵
اشاعت : جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ/مارچ ۲۰۱۵ء
ناشر : جامعہ مخدومیہ تیغیہ معین العلوم، مخدوم نگر نام نگر، سمستی پور (بہار)
مبصر : مبارک حسین مصباحی

اس وقت ہمارے پیشِ نظر تذکرۂ اسلاف ہے جس میں مشائخِ سمستی پور کے علاوہ بیگوسرائے، مظفر پور اور دربھنگہ کے چند اکابر کا بھی ذکر خیر ہے۔ یہ کتاب علما و مشائخ اور اہلِ فضل و کمال کا گراں قدر مرقع ہے۔ تصوف اپنے عشق و عرفان کی جلوہ سامانیوں کے ساتھ ہر دور میں ایک شجر سایہ دار رہا ہے۔ مشائخ و صوفیہ کے لیے علوم، ضروری تو ہیں لیکن باضابطہ کسی درس گاہ کا فارغ ہونا ضروری نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نوازنا چاہتا ہے تو پہلے اسے علمِ لدنی عطا فرما دیتا ہے۔ تاریخِ تصوف میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے لیے انوار و تجلیات کے دروازے کھول دیتا ہے۔ مشائخِ کرام کتاب و سنت پر عمل بھی کرتے ہیں اور بلند اخلاق و کردار میں بھی انفرادی شان رکھتے ہیں۔ مشائخِ کرام اپنی زندگیاں بھی مثالی گزارتے ہیں اور بھٹکے ہوئے آہو کو سوے حرم لانے کے لیے مسلسل جدو جہد بھی کرتے ہیں۔ ان کے کردار و عمل کی خوشبو سے سماج میں پھیلی ہوئی برائیاں نیست و نابود ہو جاتی ہیں، ان کی داخلی اور خارجی زندگی میں حیرت انگیز یکسانیت ہوتی ہے۔ حق و صداقت ان کی زبان پر جاری رہتا ہے، زہد و تقویٰ ان کی عملی پیشانی کے جوہر ہوتے ہیں۔ ان کے قول و عمل میں کوئی تضاد نہیں ہوتا، وہ جو کرتے ہیں وہی کہتے ہیں اور جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں۔ ان کی شخصیتوں پر ریاکاری اور مکاری کا شبہہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہوتے ہیں، اپنے نبی ﷺ کے سچے عاشق ہوتے ہیں، ان کے کردار و عمل قرآن و سنت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

آپ انسانی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ صفحۂ ہستی میں بے شمار اولیاے کرام اور صوفیاے عظام گزرے ہیں۔ تاریخ اسلام میں صوفیاے کرام کے کثیر سلاسل ہیں۔ سلسلہ قادریہ، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ نقش بندیہ اور سلسلہ سہروردیہ یہ چار سلاسل تو مشہور و معرف ہیں، ان کے علاوہ بھی ایک سے ایک بلند پایہ سلسلہ ہے۔ ان تمام سلاسل سے دنیا کے بے شمار مسلمان جڑے ہوئے ہیں۔ صوفیاے کرام کے تذکار پر دنیا میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان اولیاے کرام کے فیوض و برکات سے آج بھی دنیا فیض پا رہی ہے۔

صد قابلِ مبارک باد ہیں نوجوان فاضل عزیز محترم مولانا ساجد الرحمٰن مصباحی جو "تحریک اسلاف شناسی" سے متاثر ہوئے، انھوں نے اسی جذبے کے تحت اپنے وطن ضلع سمستی پور کے اکابر و مشائخ کے حالات مرتب کیے۔ اسی کے ساتھ چند مشائخ بیگوسرائے، مظفر پور اور دربھنگہ کے بھی حالات قلم بند کیے۔ اس کتاب کی ترتیب و تدوین پر موصوف نے بڑی محنت کی ہے۔ مواد کی تلاش و جستجو بڑا دقت طلب مرحلہ ہوتا ہے۔ یکم جمادی الآخرہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۲/ مارچ ۲۰۱۵ء کو عرس حافظ ملت کے زریں موقع پر آپ کی رسم دستار بندی ادا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو فاضلِ باعمل بنائے۔ آمین۔ مولانا اس وقت جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں "تخصص فی الحدیث" کے طالب علم ہیں۔

مولانا کی ولادت ۴/ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ مطابق ۲/ فروری ۱۹۹۳ء کو موضع گولدہ شاسن، حسن پور، ضلع سمستی پر میں ہوئی۔ ابتدائی فارسی اپنے والدِ گرامی سے پڑھی۔ اس کے بعد جامعہ مخدومیہ سمستی پور اور مدرسہ نوریہ فضلَ العلوم، اکمبا، بیگوسرائے میں فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ ۲۰۱۰ء میں خاکِ ہند کی عظیم ترین درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں جماعت رابعہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے لکھنؤ بورڈ سے فاضلِ عربی ادب بھی کیا، اسی کے ساتھ عصری علوم میں بھی آپ کا تعلیمی سفر جاری ہے۔ کاشی انٹر کالج اعظم گڑھ سے انٹر فائنل کیا اور اب شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ سے بی اے کر رہے ہیں۔ مولانا کا ارادہ ہے کہ ابھی دینی اور عصری علوم کے حصول کا سفر جاری رکھیں گے۔ مولا تعالیٰ انھیں ان کے نیک عزائم میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

جمالِ حرم فاؤنڈیشن، یہ ایک تحریک ہے، اس کے تحت عظیمی لائبریری ہے اور اس کے زیر نگرانی "ضیاے حرم" کے نام سے ایک جداریہ نکلتا ہے، مرتب کتاب اس تحریک کے صدر ہیں۔

مولانا ساجد الرحمٰن مصباحی نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں حد درجہ محنت کی ہے۔ زبان و بیان سادہ، عام فہم اور انتہائی موثر ہے۔ الجھی باتوں کو بھی آپ نے بڑے سلیقے سے نبھایا ہے۔ مرتب

نے کتاب کے آغاز میں سمستی پور کا تاریخی پس منظر "عہدِ اسلامیہ میں دربھنگہ" کے حوالے سے تحریر کیا ہے:

"ابوالمظفر شمس الدین حاجی محمد الیاس کا آباد کردہ یہ شہر ۱۸۶ ایکڑ رقبہ پر مشتمل دریاے بوڑھی گنڈک کے جنوبی کنارے پر آباد ہے۔ جو اپنے ابتدائی عہد میں ایک معمولی سی بستی کی شکل میں تھا اور اس کا محل وقوع دربھنگہ تھا۔ یہاں سلطان محمد تغلق کی حکومت تھی۔ تغلق نے بنگال سے واپسی پر یہاں کی حکومت ایک برہمن "کامیشور ٹھاکر" کو عطا کر دی اور سلطان شمس الدین حاجی الیاس کے زیر حکومت باج و خراج کی وصولی اور راجہ کی نگرانی کے لیے مقرر کیا۔ کامیشور پوسا کے قریب موضع اُونسی کا رہنے والا تھا۔ اس نے حصول حکومت کے بعد اپنی راجدھانی مستقلاً اُونسی ہی قائم رکھی۔ محمد تغلق کے عہدِ حکومت تک حاجی الیاس نے ترہت کا صدر مقام دربھنگہ ہی قائم رکھا، لیکن ان کی وفات کے بعد اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور باج و خراج سے قطعاً انکار کر کے بنارس تک کے علاقے پر قابض و متصرف ہو گیا اور اپنا خطبہ و سکہ جاری کر دیا۔"

(عہدِ اسلامیہ میں دربھنگہ، ص:۱۰۶)

حاجی محمد الیاس نے اپنے دورِ حکومت میں اس شہر کو خوب فروغ دیا، مختلف تاریخی محل تعمیر کرائے۔ ۷۶۱ھ مطابق ۱۳۵۷ء میں اس کا انتقال ہوا۔ ظاہر سی بات ہے اس شہر کی بنا اس کے انتقال سے پہلے ہی ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس کا لڑکا سکندر شاہ بادشاہ ہوا۔ اس کے بعد مختلف ادوار سے گزرتا ہوا آج یہ مستقل ضلع بن گیا ہے۔ دینی اور عصری، سیاسی اور سماجی میدانوں میں بھی ترقی کی راہ پر گام زن ہے۔ مرتب نے اس کے بعد سمستی پور کی مساجد کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد اصل موضوع یعنی سمستی پور کی اہم شخصیات، مشایخ و اکابر کا ذکر کیا ہے اور اسی کے ساتھ بیگو سراے، مظفر پور اور دربھنگہ کی بھی چند مقتدر شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ اس طرح یہ کتاب مختلف جہتوں سے اہم ہو گئی ہے جو اہلِ علم پر مخفی نہیں۔ مواد کے تعلق سے مرتب نے تاریخی کتابوں کو بنیاد بنایا ہے۔ اس سے کتاب بڑی حد تک معتمد ہو جاتی ہے۔ بعض تذکار میں علاقے میں مشہور باتوں کو خوب چھان پھٹک کر بنیاد بنایا ہے۔ یہ رخ بھی کسی تذکرے کے لیے اہمیت کا حامل ہے۔ کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ علاقہ صدیوں سے اہلِ سنت و جماعت کا مرکز رہا ہے۔ مگر افسوس! ماضی قریب میں کچھ بدعقیدہ لوگوں نے شب خون مارنا شروع کر دیا ہے۔

مرتب نے حضرت مخدوم سید افضل حسین علیہ الرحمۃ کا ذکر خیر بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ کیا ہے۔ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں آپ کی دعا کی مقبولیت کا ایک حیرت انگیز واقعہ لکھا ہے۔

"ایک مرتبہ شہنشاہ عالم گیر استمداد کے واسطے آپ کی بارگاہ میں پہنچے۔ اس وقت آپ بھی دہلی میں سکونت پذیر تھے۔ بادشاہ کے آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کی جنگ ابوالحسن تاناشاہ سے مدت دراز سے جاری تھی اور فتح یابی کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ بادشاہ عالم گیر لڑتے لڑتے عاجز آ گئے، اسی اثنا میں ایک وزیر نے انھیں حضرت کی بارگاہ میں پہنچنے کا مشورہ دیا۔ اورنگ زیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حاضرِ خدمت ہوئے اور دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دعا فرمائی اور انھیں فتح و کامرانی حاصل ہوئی۔ اس کے صلہ میں بادشاہ نے آپ کو بڑے بڑے مناصب اور عہدوں کی پیش کش کی لیکن آپ نے انھیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔"

مرتب موصوف نے ان مشایخ کے تذکار میں ان کی عبادت و ریاضت، انسانیت اور خدمت خلق کا ذکر خیر بھی بھرپور انداز میں کیا ہے۔ ایک زاہد اور تقویٰ شعار انسان کی اصل کرامت اور فضیلت یہی ہے کہ وہ اوقات کی پابندی کے ساتھ فرائض و واجبات اور سنن و نوافل کی بھرپور ادائیگی سے سرشار رہے۔ ایک ولی اور شیخ طریقت سے کسی کرامت کا ظہور بہتر تو ہے مگر ضروری نہیں۔

موجودہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے مختصر ہے اور ابھی ان علاقوں کی کئی ایک اہم شخصیات چھوٹ گئی ہیں۔ اب ضرورت ہے کہ مولانا کتاب پر نظرِ ثانی فرمائیں، جن علماے کرام اور مشائخِ عظام کا ذکر نہیں ہو سکا ان پر بھی تفصیل سے لکھیں اور اہلِ شعر و ادب پر بھی ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ اس پر بھی خصوصی توجہ فرمائیں۔ نظرِ ثانی کے باوجود کچھ خامیاں رہ گئی ہیں، ان کو بھی مزید بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

مولا تعالیٰ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل ان علما و مشایخ کے اذکار کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور مرتب و دیگر حضرات کو توفیقِ خیر عطا فرمائے کہ وہ ان بزرگان دین کی زندگیوں کے سانچے میں اپنی زندگیوں کا رخ متعین کریں اور اسی کے ساتھ ہم ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں جامعہ مخدومیہ سمستی پور کے ناظمِ اعلیٰ حضرت مولانا قاری محمد مطیع الرحمٰن اشرفی مصباحی اور دیگر ذمہ داروں کو کہ انھوں نے اس اہم کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ مولا تعالیٰ ہم سب کو بزرگوں کے نقوشِ حیات کے مطابق اپنی حیات گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس تحریر کو قبولِ عام عطا فرمائے اور مرتب و ناشر کو ڈھیر ساری جزاؤں سے نوازے۔ آمین۔ ☆☆☆

منظومات

رثائی رباعیات

سردار کہیں ہوتا نہ حاکم ہوتا
میں آلِ محمد کا ملازم ہوتا
تھیں بنتِ نبی کی جو وفادار کنیز
اے کاش انھیں فِضّہ کا خادم ہوتا

☆☆☆☆

حارث سا کوئی شوم نہ دیکھا ہوگا
ایسا کوئی محروم نہ دیکھا ہوگا
کیا کیا نہیں دیکھا ہے فلک تونے مگر
شبیر سا مظلوم نہ دیکھا ہوگا

☆☆☆☆

جب ہوتے تھے اشقیا پر حملہ آور
سرکار حسین ابنِ علی کے دل بر
یوں تیغ زنی کرتے تھے ہم شکلِ نبی
سر کٹتے تھے یوں جیسے ہوں مولی گاجر

☆☆☆☆

تاریخ جسے کہتی ہے کربل کی جنگ
یہ جھوٹ ہے بچوں سے نہیں ہوتی جنگ
اصرار اگر تجھ کو ہے وہ جنگ ہی تھی
تو سچ ہے یہ وہ جنگ کی توہین تھی جنگ

☆☆☆☆

انسانوں میں وہ شخص ہے اعلیٰ انسان
مہمان کی خدمت میں کھپائے جو جان
کربل میں مگر کنبہ نبی کا پیاسا
مقتول ہوا آہ بلا کر مہمان

ڈاکٹر صابر سنبھلی، سنبھل

نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دل، ہوش و خرد جان و جگر باندھے ہوئے ہے
وہ حسنِ نظر، سب کی نظر باندھے ہوئے ہے

اب کیسے بھلا ہوگی مدینے سے رہائی
زنجیر صفت شام و سحر باندھے ہوئے ہے

طیبہ کی فضاؤں میں مقدر کا پرندہ
اڑنے کے لیے کب سے کمر باندھے ہوئے ہے

آثار ہیں سورج کے پلٹنے کے ابھی تک
انگلی کے اشارے کو قمر باندھے ہوئے ہے

ایماں سے بہت دور ہے تشکیک کا پہلو
بو جہل اگر اور مگر باندھے ہوئے ہے

نغماتِ عقیدت میں تخیل کی بلندی
اطہر کے تصور کا اثر باندھے ہوئے ہے

حسن رضا اطہر، بوکارو

منقبت در شان بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان اعظمی مبارک پوری علیہ الرحمۃ

علم کا پیکر اٹھا اور آئینہ دھندلا گیا
بجھ گئی اک شمع پھر گہرا اندھیرا چھا گیا

لے گیا وہ ساتھ اپنے فکر کی تابانیاں
علم کے آفاق پر خورشید بھی گہنا گیا

علمِ نحو و فلسفہ ، میراث کا نکتہ شناس
منطق و علم و بیاں کا گوہر یکتا گیا

وہ خطیبِ منفرد تھا، ہاں وہی بحر العلوم
جو علومِ دیں میں رکھتا تھا یدِ طولیٰ گیا

زندگی بھر دین کی تشریح جو کرتا رہا
ہاں وہی صاحب قراں وہ عالم و دانا گیا

یعنی وہ غواصِ بحرِ علم و حکمت اٹھ گیا
علم خود نازاں تھا جس پہ پیکرِ رعنا گیا

اب کہاں دیکھیں گے اس کو مسندِ تدریس پر
علم کا فیاض، اس کا چاہنے والا گیا

مفتیِ اعظم کی چشمِ فیض سے آراستہ
حافظ ملت کی چشمِ ناز کا پالا گیا

ساتھ اپنے لے گیا وہ بزم کی رعنائیاں
کون کہتا ہے قمر وہ خلد میں تنہا گیا

قمر بستوی، ہوسٹن، امریکہ

صدائے بازگشت

چند مسائل فقہیہ پر اصلاحی نظر

گرامی مرتبت حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب مد ظلہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مئی کے شمارہ میں مطبوع مضمون ”مطلقہ عورتوں کے نان و نفقہ کا شرعی حکم اور سپریم کورٹ کے فیصلے“ کے چند مامات کی طرآپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

مقامِ اول: صاحبِ مضمون لکھتے ہیں: ”تیسرے وہ جن کا مہر مقرر ہوا ہو مگر صحبت کے بعد طلاق دی گئی ہو، ایسی عورتوں کو نصف مہر دیا جائے گا۔“[ص:۳۸]

یہاں یوں ہوتا: ”مگر صحبت یا خلوت صحیحہ کے پہلے طلاق دی گئی ہو۔“ احتمال یہی ہے کہ کاتب کی غفلت سے لفظ ”پہلے“ کی جگہ لفظ ”بعد“ لکھا گیا ہوگا، یا خود صاحبِ مضمون ہی سے یہ لغزش ہوگئی ہو۔

دوسری خامی یہ ہے کہ صرف لفظ ”صحبت“ پر اکتفا کیا گیا، حالاں کہ لفظ ”صحبت“ کے ساتھ لفظ ”خلوت صحیحہ“ کا ذکر بھی ضروری تھا، کیوں کہ دریں صورت یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ نصف مہر کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ صحبت نہ ہوئی ہو، خواہ خلوتِ صحیحہ ہوگئی ہو۔ جب کہ یہ حکم دونوں صورتوں سے متعلق ہے۔

دوم: چوتھے وہ جن کا مہر مقرر نہ ہوا ہو مگر صحبت کے بعد طلاق دی گئی ہو ایسی عورتوں کو مہر مثل ملے گا۔[ص:۳۸]

یہاں بھی یوں ہوتا ”مگر صحبت یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی گئی ہو“۔ کیوں کہ دریں صورت مہر کا جو حکم بعد صحبت طلاق دینے کا ہے وہی حکم بعد خلوتِ صحیحہ طلاق دینے کا ہے۔ مگر صاحبِ مضمون کی عبارت اس کے بیان سے خالی ہے۔ ہاں اگر ”خلوتِ صحیحہ“ پر اقتصار کیا جاتا تو مضائقہ نہ تھا کہ جب خلوتِ صحیحہ کی صورت میں مہر مثل کا حکم ہے تو صحبت کی صورت میں بدرجۂ اولیٰ یہ حکم ہوگا۔

ان دونوں مسائل کے لیے بہارِ شریعت حصہ ہفتم کے ص:۵۵ اور ص:۵۷ دیکھے جاسکتے ہیں۔

سوم: جن عورتوں کو خرد سالی یا کبر سنی یعنی عمر تو بلوغ کو آگیا مگر ابھی حیض شروع نہیں ہوا یا عورت بوڑھی ہو جانے کی وجہ سے سن یاس تک پہنچ گئی ہو اور حیض کا خوں آنا بند ہو گیا ہو تو ایسی مطلقہ عورتوں کی عدت تین مہینے ہیں۔[ص:۳۹، نقل مطابق اصل]

پہلی خرابی تو یہ ہے کہ صاحبِ مضمون نے ”خرد سالی“ کا جو مطلب بتایا ہے وہ غلط ہے۔ یہ معنیٰ تو ”مراہقہ“ کا ہے۔ بلکہ خرد سالی کا مطلب ہے بلوغ کی عمر کو نہ پہنچنا۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ یہ عدت تین قسم کی عورتوں کے لیے ہے۔ اول: صغیرہ یعنی وہ جو اس عمر ہی کو نہیں پہنچی جس میں حیض آتا ہے۔ دوم: وہ جو اس عمر کو پہنچ گئی یعنی بالغہ ہوگئی مگر حیض نہیں آیا۔ سوم: وہ جسے سن ایاس کو پہنچنے کی وجہ سے حیض آنا بند ہو گیا۔ صاحبِ مضمون نے اس عدت کو دو ہی اقسام میں محصور کر دیا۔

آخر میں گزارش یہ ہے کہ ماہ نامہ اشرفیہ، الجامعۃ الاشرفیہ جیسے قابلِ فخر اور عظیم و معتمد ادارہ کا دینی و علمی ترجمان ہے، اس میں مطبوع مضمون میں ایسی اغلاط ہونا قابلِ افسوس ہے اور اس کوتاہی کی ذمہ داری آپ کے سر بھی جاتی ہے۔ ضروری ہے کہ مضامین کو دقتِ نظر اور کامل توجہ سے دیکھا جائے، تاکہ ماہ نامہ کا وقار مجروح نہ ہو۔

ان سطور کا محرک محض اخلاص اور الجامعۃ الاشرفیہ اور ماہ نامہ اشرفیہ کے ساتھ قلبی وابستگی ہے۔ امید ہے کہ یہ سطور گردانی خاطر کا سبب نہ ہوں گی۔ فقط خیر طلب عبدالسلام رضوی
جامعہ نوریہ رضویہ، باقر گنج، بریلی شریف

=+=+=+=+=

گرامی وقار حضرت مولانا عبدالسلام رضوی دام ظلہ العالی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے مضمون کو توجہ اور تحقیقی نظر سے پڑھا، اس کے لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔ جہاں تک مضمون نگار کا معاملہ ہے، اس کے لیے ہم بروقت کچھ نہیں کہہ سکتے، ماہ نامہ جب ان تک پہنچے گا اسی کے بعد وہ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں گے، مگر سچائی یہ ہے کہ شرعی مسائل میں اظہارِ خیالات کی نہیں بلکہ فیصلہ حق و صداقت ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ڈھیر ساری جزاؤں سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔ (ادارہ)

☆☆☆☆☆☆

خیر و خبر

احمد آباد میں حضرت آسی غازی پوری پر سیمینار

احمد آباد: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان حکومت ہند، دہلی کے اشتراک اور جامعہ معین العلوم سرکار کلاں احمد آباد کے زیر اہتمام اہنسا شودھ بھون گجرات ودیا پیٹھ احمد آباد کے سیمینار ہال میں مورخہ ۲۳ ر اگست ۲۰۱۵ء بروز اتوار " حضرت آسی غازی پوری: شخصیت اور شاعری " کے زیر عنوان یک روزہ نیشنل سیمینار منعقد ہوا۔ سیمینار کی سرپرستی پروفیسر محی الدین بمبئی والا (ڈائریکٹر: بیر محمد شاہ لائبریری، احمد آباد) نے انجام دی جب کہ صدارت کے فرائض پروفیسر مسیح الزماں انصاری (صدر شعبۂ اردو: گجرات یونیورسٹی، احمد آباد) نے انجام دیے۔ مہمان خصوصی کے طور پر اقبال شیخ (ایڈوکیٹ احمد آباد و ممبر سینٹرل وقف کاؤنسل دہلی) اور دیگر معروف اور اہم شخصیات مدعو تھیں۔ نظامت ڈاکٹر اختر خان نے کی۔ سیمینار کا آغاز ۱۰:۳۰ بجے دن تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ اس کے بعد کلام آسیؔ پڑھا گیا۔ کلمات افتتاحیہ شاہ عبد العلیم آسیؔ فائونڈیشن، نئی دہلی کے مدیر و رکن مولانا ابرار رضا مصباحی نے پیش کیے۔ جس میں انہوں نے حضرت آسی کی بلند پایہ علمی و ادبی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ یہ ہمارے لئے بڑے اعزاز کی بات ہے کہ ملک کے مختلف مقامات کے ساتھ ساتھ سرزمین احمد آباد گجرات میں بھی معروف عالم اور ممتاز صوفی شاعر شاہ عبد العلیم آسیؔ غازی پوری کی علمی و اخلاقی اور شعری و ادبی شخصیت اور خدمات کے اعتراف میں ایک اہم سیمینار کا انعقاد کیا گیا ہے۔ اس کے بعد پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد انصاری (بھونس کالج، احمد آباد) گجرات میں اردو زبان وادب کی تاریخ اور حضرت آسی کی علمی و ادبی شخصیت پر اہم باتیں پیش کیں، ایڈوکیٹ اقبال شیخ نے اپنے گراں قدر تاثرات میں حضرت آسی کی شعری و فنی خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے ان سے اہل اردو وادب کی نظر اندازی پر اظہار افسوس کیا۔ گجرات کے نائب قاضی اور دار العلوم شیخ احمد کھٹو، احمد آباد کے صدر و شیخ الحدیث مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی نے حضرت آسیؔ کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے پر مغز مقالہ پڑھا۔ جامعہ معین العلوم احمد آباد کے بانی و صدر مفتی معین الدین رضوی مصباحی نے حضرت آسی کی علمی و دینی شخصیت اور ان عارفانہ شاعری پر مقالہ پیش کیا، جس میں انھوں نے کہا کہ حضرت آسی چوں کہ عارف باللہ تھے ،اس لیے ان کی شاعری میں توحید اور روحانیت کے عناصر سے پر ہیں۔ پروفیسر ناظمہ انصاری (شعبۂ اردو: گجرات یونیورسٹی) حضرت آسی کی صوفیانہ شاعری پر مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ مجھے پہلی بار ایک نئے شاعر اور اردو شعر وادب کے عظیم محسن سے روشناس ہونے کا موقع ملا اور جب ان پر مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ حضرت آسی غازی پوری تو اردو ادب کا ایک اہم حصہ ہیں اور ان کے کلام کو شامل نصاب ہونا چاہیے۔ "حضرت آسی کی صوفیانہ شاعری" کے زیر عنوان آسی فائونڈیشن، نئی دہلی کے مدیر مولانا ابرار رضا مصباحی نے اپنا مقالہ پڑھا۔ مولانا احمد رضا استاذ جامعہ معین العلوم احمد آباد نے حضرت آسی کی عالمانہ عظمت اور ان کی ادبی و شعری خدمات پر مقالہ پیش کیا۔ سیمینار کے صدر پروفیسر مسیح الزماں انصاری نے حضرت آسی کی علمی ، ادبی اور شعری عظمت و شخصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

"میں حضرت آسی سے واقف نہ تھا، لیکن جب ان کے کلام کا بغور مطالعہ کیا تو میری حیرت و تعجب کی انتہا نہ رہی اور یہ شعر زبان پر آ گیا۔

کتنے نااہلوں نے بلندی کی شہرت چھولی
اور گمنام ہیں اب تک بھی سخن ور کتنے

انھوں نے نے بھی کلام آسی کو شامل نصاب کیے جانے پر زور دیا اور کہا درجات کو دیکھتے ہوئے کلام آسی کو گجرات یونیورسٹی میں داخل نصاب کیا جائیگا۔

اخیر میں سیمینار کے بعد حیدر آباد ای ٹی وی کی جانب سے آسی کی مختلف الجہات شخصیت خصوصا ان کے فکر و فن اور شعر وادب پر مشتمل مفتی مبشر رضا مصباحی اور مولانا ابرار رضا مصباحی سے انٹر ویوز بھی لیے گئے اور ان سے سوالات بھی کیے گئے جن کے ان حضرات نے فکر انگیز اور بصیرت افروز جوابات دیے۔

اخیر میں مولانا مظفر حسین (جنزل سکریٹری: لوک سیوا سنگھ (رجسٹرڈ این جی او) احمد آباد) نے معززین و مہمانان کی سیمینار میں شرکت و شمولیت اور اس کی کامیابی نیز گراں قدر مقالات کی وصول یابی پر ان کا شکریہ ادا کیا، ساتھ ہی جامعہ معین العلوم کے ناظم اعلی مولانا رضاء الحق اشرفی نے بھی مہمانان کا شکریہ ادا کیا اور

حضرت آسی جیسی عظیم علمی و دینی عظمت و حیثیت کی حامل شخصیت پر سیمینار کو باعث سعادت قرار دیا۔ اس موقع پر گجرات و دیا پیٹھ کے اساتذہ، جامعہ معین العلوم کے اساتذہ و طلبہ اور دانشوران علم و ادب اور اردو زبان کے شائقین حضرات بھی موجود تھے۔

از: جامعہ معین العلوم سرکار کلاں، نارول احمدآباد گجرات

میناپور مظفر پور میں جشن عید میلاد النبی ﷺ

۱۰ر ستمبر ۲۰۱۵ء کی پر کیف شب میں میناپور ضلع مظفر پور بہار میں حاجی شمیم احمد اور ان کی اہلیہ کے سفرحج زیارت کی روانگی کے خوب صورت موقع پر ان کے صاحب زادگان کی طرف سے نہایت ہی تزک و احتشام کے ساتھ جشن عید میلاد النبی کا انعقاد عمل میں آیا جس کی سرپرستی خانقاہ تیغیہ جنابیہ کے سجادہ نشیں حضرت مولانا ضیاء المجتبیٰ کامل نے فرمائی جب کہ صدارت کا فریضہ مولانا نصیر الدین مظفر پوری نے انجام دیا۔ خطیبِ خصوصی کی حیثیت سے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے استاذ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی شریکِ اجلاس تھے۔ محفل کا آغاز قاری ریاض انور استاذ حافظ ملت کوچنگ سینٹر مظفر پور نے قرآن مقدس کی تلاوت سے کر کے ایک کیف کا سماں باندھ دیا۔ مداح رسول حافظ اکرم نورانی مبارک پوری اور حافظ مختار اصدق مظفر پوری نے بارگاہِ رسالت مآب میں عقیدتوں کے گل ہائے محبت پیش کر کے فضاؤں کو عشقِ نبوت کی خوشبوؤں سے معطر کر دیا۔ تحریک اصلاح ملت میناپور، مظفر پور کے ڈائریکٹر مولانا ثناء اللہ اطہر مصباحی نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا اور مبارک پور سے تشریف لائے معزز خطیب مولانا مبارک حسین مصباحی اور تمام علما کا شکریہ ادا کیا۔ مولانا مبارک حسین مصباحی کی آمد پر یہاں کے لوگوں میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا ضیاء المجتبیٰ کامل صاحب کی شان دار ناصحانہ گفتگو کے بعد فخر صحافت مولانا مبارک حسین مصباحی کرسیِ خطابت پر جلوہ افروز ہوئے اور فضیلتِ حج و زیارت کے عنوان پر نہایت ہی پر مغز اور بلیغ خطبہ دیا۔ دورانِ تقریر انھوں نے کہا کہ ارکانِ حج در اصل اللہ کے مقربین کی ادائیں ہیں، جسے اللہ نے اپنی عبادت قرار دے کر اپنے محبوبوں کی یادوں اور ان کی اداؤں کو قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا۔ مزید انھوں نے فرمایا کہ حرمِ مکہ میں ایک نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے اور ایک گناہ ایک لاکھ گناہ کے برابر جب کہ حرمِ طیبہ میں ایک نیکی پچاس ہزار نیکیوں کے برابر ہے لیکن ایک گناہ کے ارتکاب پر صرف ایک گناہ ہی نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

خطیب موصوف نے ساری دنیا کے صحیح العقیدہ حجاج کرام کو بد عقیدوں کی اقتدا میں نماز ادا کرنے، ان کی باتیں سننے اور ان کی صحبت سے بچنے کی تلقین کی۔ اخیر میں بارگاہ نبوت میں صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ پیش کیا گیا اور مولانا مبارک حسین مصباحی کی رقت انگیز دعا پر محفل کا اختتام ہوا۔

از: ناصر حسین مصباحی رکن، تحریک اصلاح ملت، میناپور، مظفر پور

عظیم الشان کانفرنس میں علمائے کرام کے خطابات

حضور اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو چھوڑ کر ہم نہ دنیا میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور نہ ہی آخرت میں، سچا عاشقِ رسول وہی ہے جو آقا ﷺ کے بنائے ہوئے اصول اور ضابطے کے مطابق زندگی گزارے۔ شریعت کے مطابق زندگی گزارنے والا ہی حقیقی مسلمان کہلاتا ہے، مذکورہ خیالات کا اظہار خطیب الہند مولانا عبید اللہ خان اعظمی نے مدرسہ اہلِ سنت اشرفیہ بحر العلوم مصرولیہ بنکٹی میں خطاب کرتے ہوئے کہا۔ انھوں نے کہا کہ افسوس کا مقام ہے، آج ہماری مسجدیں نمازیوں سے خالی نظر آتی ہیں۔ یاد رکھیں نماز دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔ آپ صحابۂ کرام کی زندگی کا مطالعہ کریں کہ وہ سخت ماحول میں بھی کبھی نماز نہیں چھوڑتے تھے، خطاب کرتے ہوئے مفتی عبد الحق مصباحی استاد جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے کہا کہ مسلم قوم تعلیمی میدان میں بہت پیچھے ہے، افسوس کا مقام ہے کہ جس قوم کو سربراہی کرنا چاہیے، آج وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ تمام پریشانیوں اور صعوبتوں کو برداشت کر کے اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم سے مزین کریں۔ مولانا نے کہا کہ تعلیم کے بغیر ہم کبھی بھی کامیابیوں کی دہلیز پر نہیں پہنچ سکتے۔ اس لیے کہ قرآن مقدس کی پہلی آیت جو نازل ہوئی وہ پڑھنے سے متعلق ہے، مذہب اسلام نے کبھی بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی مخالفت نہیں کی ہے۔ کانفرنس کی سرپرستی مولانا سید خلیق اشرف و مولانا محمد شعیب العلیم بقائی اور صدارت قاری محمد ذاکر نے کی۔ اس موقع پر مولانا زکریا مصباحی، مولانا نور الہدیٰ نظامی، دھرم سنگھوا، خلیل آباد، مولانا محمد نسیم، مولانا احمد رضا نعیمی، قاری معصوم رضا اشرفی، قاری محمد ایوب، قاری محمد کلیم، مفتی بدر عالم مصباحی، مولانا نعیم الدین عزیزی، مولانا معراج حسین، سیف رضا کانپوری، ساحل گورکھ پوری، قیصر اعظمی، قاری رضی اللہ، قاری شمیم، مفتی عبد الرقیب مصباحی، ماسٹر سعید، ماسٹر اسرار الحق، قاری ریاض الدین، مولانا عبد الوکیل مصباحی، مولانا ریحان، قاری محمد اسلم خان، قاری مشتاق احمد رضوی

وغیرہ موجود تھے۔ صلاۃ و سلام اور مولانا سید خلیق اشرف کی دعا پر کانفرنس کا اختتام ہوا۔ اخیر میں ناظمِ اعلیٰ و کنوینر مولانا فیاض احمد مصباحی نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ کانفرنس میں عوام کی کثیر تعداد موجود تھی۔

مولانا محمد شاکر نوری اور اہلسنّت کی کئی اہم شخصیات ۵۰۰/ بااثر افراد میں شامل

دنیا میں تقریباً پونے دو ارب مسلم بستے ہیں یعنی دنیا کی ۲۳/ فی صد آبادی مسلم ہے۔ بالفاظ دیگر دنیا کا ہر چوتھا یا پانچواں انسان مسلمان ہے۔ مگر ان میں کچھ ایسے بااثر افراد ہوتے ہیں جن کا اثر و رسوخ بقیہ لوگوں پر ہوتا ہے۔ ۲۰۰۹ سے دی رائیل اسلامک اسٹریٹیجک اسٹڈی سینٹر (جارڈن) پوری دنیا میں اثر و رسوخ رکھنے والے پانچ سو مسلم افراد پر مشتمل سروے رپورٹ پیش کر رہا ہے۔ دی رائیل اسلامک اسٹریٹیجک اسٹڈی سینٹر کی جانب سے ۲۰۱۶ء کی سروے رپورٹ منظر عام پر آچکی ہے

محقق، ادیب، سیاسی، مذہبی، روحانی، مبلغ، سخی، سماجی، تجارتی، تہذیبی، ثقافتی، فنی، قاری، صحافی، نامور اور کھیل کی دنیا سے تعلق رکھنے والے پانچ سو بااثر افراد کی فہرست شائع کی گئی ہے۔ اس تجزیاتی کتاب میں فہرست اور اسٹڈی سینٹر کے تعارف کے بعد ۵۰/ بااثر شخصیات کی فہرست شامل ہے۔ سنّی دعوت اسلامی مالیگاؤں کے میڈیا انچارج عطاء الرحمن نوری نے بتایا کہ اس سروے میں فخر ازہر حضور تاج الشریعہ حضرت مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری کی شخصیت ۲۵/ ویں نمبر پر شامل اشاعت ہے۔ بحمدہ تعالیٰ! عالمی تحریک سنّی دعوت اسلامی کے امیر مولانا محمد شاکر نوری بھی ۵۰۰/ بااثر شخصیات میں شامل ہیں۔ مولانا شاکر نوری نے اپنے اصلاحی کاموں کی بدولت دنیا بھر میں شہرت پائی، آپ مخلص داعی، کامیاب مصلح اور اہل سنت کے عظیم عالم دین ہیں۔

سروے رپورٹ نے آپ کی تعلیمی خدمات اور ہندوستانی مسلمانوں پر اثرات کو سراہا ہے۔ امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں برکاتی (سجادہ نشین آستانہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ)، خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند علامہ قمر الزماں خاں اعظمی (سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن، برطانیہ)، سنّی کلچرل سینٹر کے وائس چانسلر شیخ احمد ابوبکر (کیرالا) اور کئی اہم شخصیات شامل ہیں۔ اس سروے میں جماعت سے کئی بڑی قد آور شخصیات کی شمولیت سے جماعت اہل سنّت میں خوشی کی لہر پائی جارہی ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے اسٹڈی سینٹر کی ویب سائٹ وزٹ کریں۔

حضرت مفتی محمد عبد الرشید علیہ الرحمہ کا عرس

فقیہ اعظم ہند حضرت مفتی محمد عبد الرشید خاں علیہ الرحمہ بانی جامعہ عربیہ اسلامیہ ناگ پور کا ۴۲/ واں سالانہ عرس شریف ۲۲/ ۲۳/ ۲۴/ ستمبر ۲۰۱۵ء کو منایا گیا۔ اس موقع پر بیرونی ممالک و اطراف سے آئے ہوئے مشائخ و علما اور شعرا نے خراج عقیدت پیش کیا۔ پروگرام امیر شریعت حضرت مفتی محمد عبد القدیر خاں جانشین حضور فقیہ اعظم ہند کی سرپرستی میں ہوا۔ نبیرۂ فقیہ اعظم حضرت مولانا محمد عبد العظیم خاں سجادہ نشین نے صدارت فرمائی اور مقرر خصوصی حضرت مولانا حافظ و قاری محمد صابر القادری بانی مدرسہ مدینۃ الرسول اور حضرت مولانا شان محمد قادری بلیانے سرکار فقیہ اعظم ہند کی خدمات اور ان کی زندگی پر روشنی ڈالی۔

۲۲/ ستمبر ۲۰۱۵ء بعد نماز عصر مولانا شان محمد قادری کے ہاتھوں رسم پرچم کشائی کی گئی اور اس کے بعد مزار شریف پر چادر پیش کی گئی۔ میلاد شریف کا پروگرام ہوا اور حضرت مولانا الحاج محمد عبد اللطیف انصاری کے صلاۃ و سلام، فاتحہ و دعا کے بعد لنگر تقسیم کیا گیا۔

۲۳/ ستمبر ۲۰۱۵ء بروز بدھ بعد نماز مغرب آستانہ شریف میں قرآن خوانی اور قل کی فاتحہ کے بعد تقاریر علمائے کرام اور لنگر تقسیم ہوا۔ جس میں ڈاکٹر حاجی انیس احمد سابق وزیر مہاراشٹر، ذوالفقار احمد بھٹو، حاجی اسرائیل برطانیہ ہوٹل، کامل انصاری کارپوریٹر، مجید بھائی ماربل والے اور ہزاروں عقیدت مندوں نے حصہ لیا۔

۲۴/ ستمبر ۲۰۱۵ء بروز جمعرات صبح ۸/ بجے جامعہ عربیہ اسلامیہ لعل صاحب شوک ناگ پور میں قرآن خوانی، نعت خوانی و تقاریر علمائے کرام کے بعد فاتحہ و لنگر تقسیم ہوتا ہوا آستانہ شریف پہنچا۔ اس کے بعد بڑے قل شریف کی فاتحہ، شجرہ خوانی اور چادر پوشی و عام لنگر بانٹا گیا اور صلاۃ و سلام پیش کیا گیا اور تقریبات عرس اختتام پذیر ہوئیں۔

عرس کے اس پروگرام کو کامیاب بنانے میں حضرت مولانا قاری سید شبیر احمد، کوربا، الحاج مسٹر محمد اسرائیل خان، صدر مدرس رحمت خان، سہیل اطہر، ماسٹر جمیل احمد، محب الدین رضا، محسن الدین، شفیع کنوج، سید احفاظ علی، انیس احمد، محمد عارف، ماسٹر عبد الرشید فاروقی، حمید بھائی، عبد الرشید بھائی، بابا بھائی، شبیر بھائی، شبیر بابا، حاجی سلیم صوفی بیگ، مختار بھائی، ظفر بھائی، اظہر علی، شیخ سلیم، مولانا یٰسین، حاجی عارف ٹِلّا، ذوالفقار بھٹو، عبد العزیز، خواجہ پہلوان وغیرہ نے اپنا بھرپور تعاون دیا۔ فقط۔

از: سید احفاظ علی، سکریٹری عرس کمیٹی